معرفت قیامت

جنت، دوزخ، محشر اور برزخ کی حقیقت

تحقیق شدہ اُردو ترجمہ

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی
الطائی، الحاتمی، الاندلسی

تحقیق و ترجمہ
ابرار احمد شاہی

بسم الله الرحمن الرحيم

معرفت قیامت

جنت، دوزخ، محشر اور برزخ کی حقیقت

تصنیف

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی
الطائی، الحاتمی، الاندلسی

تحقیق و ترجمہ

ابرار احمد شاہی



ابن العربی فاؤنڈیشن
www.ibnularabifoundation.org
0334-5463996

نام کتاب: معرفت قیامت

تصنیف: شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی الطائی، الحاتمی، الاندلسی

تحقیق و ترجمہ: ابرار احمد شاہی
0334-5463996

معاونت و پروف: ملک ہمیش گل، سعدیہ قادری
0334-5463991

ایڈیشن: پہلا، جنوری ۲۰۲۱ء

نشرواشاعت: ابن العربی فاؤنڈیشن

ویب سٹور: store.ibnularabifoundation.org

ISBN: 9789699305160



www.ibnularabifoundation.org

انتساب

ابن آدم کے نام کہ جس نے مرنا ہے اور برزخ اور آخرت میں قدم رکھنا ہے۔

اب یا تو کامیابی ہے یا ناکامی۔ دنیا دھوکے کا گھر ہے کہ اس کی خواہشات نے ابن آدم کو جکڑ رکھا ہے۔ دنیا کی زندگی اور اس کی خواہشات اُس خواب کی مانند ہے، جس نے شرمندہ تعبیر نہیں ہونا۔ یہ وہ خیال ہے جو آیا اور چلا گیا۔ اسے دوام نہیں اسے ثبات نہیں۔ کاش کہ ابن آدم یہ سمجھے، لیکن ہونا وہی ہے جو ہونا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: یہ جہنم والے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ جنت والے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے ان بندوں میں سے بنائے کہ جنہیں دار آخرت میں اس نے نور کے تاج پہنائے، ہمارے اعمال سے در گزر کرے اور ہمیں اپنی رضا کے گھر میں ٹھہرائے، دار جہنم سے ہمیں بچائے اور جنت عدن میں اپنے دیدار کے جام پلائے بیشک یہ اس کے فضل سے ہی ہونا ہے۔ آمین یارب العالمین!

ابرار احمد شاہی

فہرست کتاب

جہنم کی معرفت

مقدمہ

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم آپ احباب کے سامنے شیخ اکبر کے علوم میں سے روز قیامت، برزخ، جنت اور دوزخ کے وہ حقائق لا رہے ہیں جو آپ نے فتوحات مکیہ میں رقم کیے۔ اخروی حقائق سے متعلق فتوحات مکیہ کے اِن ابواب تک رسائی پانا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی، اس لیے ہم نے انہیں "معرفت قیامت" نامی ایک مختصر کتاب میں علیحدہ سے شائع کر دیا تاکہ عام مسلمان بھی ان سے مستفید ہوں۔

اس کتاب میں آپ لوگ برزخ، قیامت، جنت اور دوزخ کے وہ معاملات جانیں گے جو اس سے پہلے مربوط انداز میں آپ نے نہ سنے ہوں گے۔ ترجمہ نہایت شستہ اور آسان رکھا گیا ہے تاکہ ہر کوئی اسے آسانی سے پڑھ لے، پھر ہم نے ہر مشکل عبارت کو حاشیے میں آسان کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اکثر اوقات لوگ شیخ کا کلام پڑھ تو لیتے ہیں لیکن اُن کی مراد کے مطابق سمجھ نہیں سکتے، اس کی متعدّد وجوہات ہیں جس میں سب سے بڑی وجہ شیخ کے اسلوب اور اصطلاحات سے ناشناسائی ہے۔ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر اصطلاح یا مفہوم کو حاشیے میں سہل انداز میں بیان کر دیا جائے تاکہ قارئین کو کچھ نہ کچھ بات سمجھ تو آئے۔ کتاب میں شامل احادیث اور قرآنی آیات کی تخریج پر بھی کام کیا گیا ہے۔ قرآنی آیات کو برصغیر کے روایتی رسم الخط میں لکھا گیا ہے تاکہ عام لوگ بھی اسے آسانی سے پڑھ سکیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہر عام و خاص اس کتاب سے مستفید ہو اور اپنی آخرت کی تیاری میں ان حقائق سے وہ حصہ پائے جو روز قیامت اُس کے کام آئے۔ آمین یارب العالمین۔

تعارف کتاب؛ معرفت قیامت

"معرفت قیامت" نامی اِس کتاب میں ہم نے فتوحات مکیہ سے شیخ اکبر کے آخرت سے متعلق عقیدے کو یکجا کیا ہے۔ یہ وہی عقیدہ ہے جس کا مکلف ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ آخرت پر ایمان ہر مسلمان کے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ جزا و سزا کے مفہوم سے عاری مذہب آدھا اور ادھورا ہے۔ اسی اخروی عقیدے میں عام مسلمان بہت سے مسائل کا شکار ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ ان حقائق کو کما حقہ نہیں سمجھ پاتا۔ اگر ظاہر پرستوں کے ہتھے چڑھتا ہے تو اخروی حیات کو بھی انہی ظاہری استعاروں میں کھوجتا ہے، ظاہری قبر اور مادی جسم میں مقید ہو جاتا ہے۔ اگر فلسفیوں اور باطنیوں کی باتوں میں آتا ہے تو حسی آخرت کا انکار کر بیٹھتا ہے اور ہر شے کو معنوی تصور کرتا ہے۔ اس لیے ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ شیخ اکبر نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں آخرت سے متعلق جو حقائق بیان کیے ہیں انہیں آسان زبان میں عوام کے سامنے لایا جائے تاکہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہو، جو مختلف گروہوں میں پائی جاتی ہیں۔

کتاب کی ابتدا میں ہم نے شیخ اکبر کا وہ عقیدہ شامل کیا ہے جسے آپ عوامی عقیدہ کہتے ہیں، اور جس پر ایمان ہر مسلمان کے لیے واجب ہے۔ اس عقیدے میں آپ نے اپنے خاص اعتقادات کو عام انداز میں پیش کیا ہے تاکہ ہر ایک کے لیے انہیں قبول کرنا آسان ہو۔ یہ عقیدہ اپنے الفاظ میں تو عامی عقیدہ ہی نظر آتا ہے لیکن اپنے معانی کی گہرائی میں کسی طرح سے بھی عقیدہ خواص سے مختلف نہیں۔ صرف عام فہم مثالوں سے اسے عوامی بنایا گیا ہے۔ شیخ کے بقول جو مسلمان اس عقیدے پر آخرت میں آئے گا

وہی وہاں عام مومنین کا درجہ پائے گا۔ اور اگر اس عقیدے میں بگاڑ ہوا تو وہ کسی نہ کسی بھٹکی ہوئی جماعت کا پیروکار کہلائے گا۔

اس کے بعد احوال قیامت کی ابتدا موت سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵) ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس پر کسی مذہب اور عقیدے کا اختلاف نہیں۔ اختلاف موت کی کیفیت اور بعد والی زندگی میں ہے۔ اپنی موت کے بعد ہر شخص جس عالم میں جاتا ہے شیخ اسے عالم برزخ کہتے ہیں۔ شیخ کے بقول یہ وہی عالم ہے جس میں ہر شخص نیند میں جاتا اور مردہ موت کے بعد جاتا ہے۔ ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (الزمر: ۴۲) اللہ موت کے وقت اور نیند میں جان کو پکڑ لیتا ہے، سو جس کا وقت پورا ہو گیا ہو اسے روک لیتا ہے جبکہ دوسری روح کو ایک مقررہ وقت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس آیت سے بالکل واضح ہے کہ ہم نیند میں جس عالم میں جاتے ہیں اور خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں یہ وہی عالم ہے جس میں ہم مرنے کے بعد جائیں گے۔ شیخ نے اِسے عالم برزخ اور عالم خیال کہا ہے۔ اور اس پہلے باب میں آپ لوگ اسی عالم کے بارے میں یہ جانیں گے کہ برزخ کیا ہے؟ خیال اور عالم خیال کسے کہتے ہیں اور عالم خیال کا ادراک کس طرح سے ہوتا ہے؟ صور کیا ہے؟ پھر صور اور ناقور میں کیا فرق ہے؟ اسی میں آپ نے خیال کی تنگی اور وسعت پر کلام کیا ہے اور مثالوں سے بات سمجھائی ہے۔ آخر میں آپ نے خیال کی آنکھ اور حسی آنکھ سے عالم خیال کے ادراک پر چند مثالیں دی ہیں۔

کتاب کے اگلا باب کا موضوع قیامت ہے۔ یہ اس حسی آخرت کی ابتدا ہے جس

میں تمام جن وانس کو حساب و کتاب کے لیے محشر میں جمع کیا جائے گا۔ دنیا میں کیے گئے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور پھر اللہ سبحانہ کے فیصلے کے مطابق انہیں اُن کے اخروی گھر یعنی جنت اور دوزخ میں لے جایا جائے گا۔ اس باب میں آپ کو یہ سمجھ آئے گا کہ قیامت کو قیامت کیوں کہتے ہیں۔ پھر قیامت کے مشہور احوال پر بات ہے جیسے آسمان کا پھٹنا، ستاروں کا ٹوٹنا، زمین و آسمان کا ایک ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اس باب میں آپ جانیں گے کہ قیامت کا روز پچاس ہزار سال پر محیط ہے اور اس کے مختلف مقامات ہیں۔ ابتدا مقام محشر ہے اور انتہا جنت یا دوزخ ہے۔ پھر شیخ نے ان پچاس ہزار سالوں کو ہزار ہزار سالوں پر تقسیم کیا ہے اور ان کی تفصیل درج کی ہے جس کے لیے قیامت کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ایک حدیث بیان کی گئی ہے۔ اس باب میں آپ نے آخرت کے حسی ہونے پر دلائل دیئے ہیں اور جو لوگ اس کے معنوی ہونے کے قائل ہیں ان کا رد کیا ہے، تناسخ، بعث کی کیفیت، اختراع اور ابتداع کی تعریف، عجب الذنب کی حقیقت اور دیگر امور پر بات کی ہے۔ اسی باب میں قیامت کے سات ٹھکانوں پر تفصیلی بات ہے جن میں عرض، اعمال نامے، ترازو، صراط، اعراف، موت کا ذبح ہونا اور اہل جنت کے لیے اللہ کی دعوت کا ذکر ہے۔

اس کے بعد جہنم کا باب ہے۔ جہنم اللہ تعالی کا وہ قید خانہ ہے جو اس نے متکبرین، ملحدین، مشرکین اور منافقین کے لیے تیار کیا ہے۔ اس باب میں جہنم کی معرفت، جہنم کی تخلیق، جہنم کی ایجاد اور جہنم کے عذاب پر بات کی گئی ہے۔ پھر جہنم کے احوال اور کشفی حقائق کا مختصر بیان ہے، آپ نے جہنم کے دروازوں کے نام بتائے ہیں جو کسی نے کسی عضو انسانی سے مخصوص ہیں۔ جہنم کے درکات اور یوم التغابن اور یوم حسرت کی تعریف ہے۔ اگلا باب اہل جہنم کے مراتب پر ہے، جس میں بتایا ہے کہ

اہل دوزخ کے مراتب چار ہیں؛ کہ اس میں وقت کے فرعون، مشرکین، ملحدین اور منافقین ہی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ پھر یہ بتایا ہے کہ ابلیس اہل جہنم کو کیسے گمراہ کرتا ہے اور اس کا بہکانہ کس طرح سے ہوتا ہے۔ جہنم کے اجرام اور اس کی حد اور اس میں دیئے جانے والے عذاب کی مدت پر بات ہے۔

اس کے بعد جنت کا باب ہے۔ جنت اللہ کا انعام اور اس کی رضا کا گھر ہے۔ یہ اس کے نیک بندوں سے مخصوص ہے، وہ لوگ جنھوں نے اس دنیاوی زندگی میں اپنے رب کی مانی اور اس کی ہدایت پر عمل کرتے رہے چاہے وہ دنیا میں ناکام کہلائے لیکن رب آخرت میں انہیں وہ سب دے گا جو دنیا میں وہ اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے نہ پاسکے۔ یہی وہ سب سے بڑی کامیابی ہے جس کے لیے لوگوں کو کوشش کرنی چاہیے۔

جنت کے باب میں آپ کو پتا چلے گا کہ جنت کی تخلیق کس طرح سے ہوئی اور یہ کس طرح سے حسی ہے۔ پھر جنت کن لوگوں کی مشتاق اور رغبت رکھتی ہے۔ اس کے بعد جنت کی اقسام پر بات ہے۔ اعمال کی جنتوں میں افضلیت کے مراتب کا بیان ہے۔ پھر جنت عدن اور جنت کے درجات کا بیان ہے۔ آپ نے اہل جنت کو چار گروہ قرار دیا: ان میں رسول انبیا، اولیا، عقلی توحید والے علما اور مومنین شامل ہیں۔ پھر زیارت الٰہی اور حجابات اٹھنے کا بیان ہے۔ آخر میں اہل جنت کی تمناؤں اور اختصاصات کا بیان ہے۔

اس کے بعد ہم نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۷۱ میں سے ان امور کا تذکرہ کیا ہے جن کا شیخ نے ان متعلقہ ابواب میں ذکر نہیں کیا۔ اس باب میں آپ کو پتا چلے گا کہ جنت عدن کیسے تخلیق ہوئی۔ اہل جنت کے کپڑے کہاں سے آئیں گے۔ جنت کے

مقامات، درجات اور منازل کتنے ہیں۔ اسی طرح جنت کے دروازوں اور روشن دانوں کی کیا تعداد ہے۔ پھر درخت طوبیٰ پر بات ہے۔ اس کے بعد مقام محشر کے مقامات کا تذکرہ ہے جن میں حشر کی زمین، حوض کوثر، نور کے منبر، مقام محمود، عرش الٰہی اور شفاعت کا بیان ہے۔ اس کے بعد پل صراط اور جہنم کا ذکر ہے۔ جس جہنم کے ابواب، منازل اور درکات پر بات ہے۔ آخر میں آپ نے کثیب جنت میں دیدار الٰہی پر تفصیلی بات کی ہے۔

کتاب کے آخر میں شیخ اکبر کے وہ چند خواب بھی درج کیے گئے ہیں جو برزخ قیامت، جنت اور دوزخ سے مناسبت رکھتے ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اِس ایمان سے فائدہ پہنچائے، اِس جہانِ فانی سے اُس جہانِ باقی میں جاتے وقت اس پر استقامت نصیب فرمائے، ہمیں وہاں عزت اور رضا کے گھر میں ٹھہرائے، (کاش) وہ ہمارے اور اُس آگ کے درمیان آ جائے، اور ہمیں اُن لوگوں میں سے بنائے، جو اس کی کتابوں پر ایمان لائے، جو حوض کوثر سے سیراب واپس آئے، جن کا نیکی والا پلڑا بھاری رہا اور جن کے قدم پل صراط پر نہ ڈگمگائے؛ بیشک وہی صاحبِ انعام و احسان ہے۔

ابرار احمد شاہی

جنوری ۲۰۲۱ء

عقیدہ اہل اسلام

ان امور کا بیان جن کا عمومی اعتقاد ضروری ہے

یہی دلیل اور برہان میں نظر کیے بغیر اہل اسلام کا مسلمہ عقیدہ ہے

میرے ایمانی بھائیو! اللہ ہمیں اور آپ سب کو بہترین خاتمہ نصیب فرمائے، جب میں نے اُس متعال کا اپنے نبی ہود علیہ السلام کے بارے میں یہ قول سنا، جب آپ نے اپنی قوم میں اپنی رسالت کا انکار کرنے والوں سے کہا: ﴿قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (ھود: ۵۴) میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اُن سے بری ہوں جن سے تم شرک کرتے ہو۔ سو آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خود پر گواہ بنایا؛ کہ آپ اللہ کے ساتھ ٹھہرائے ان شریکوں سے بیزار ہیں، اور اُس کی احدیت کا اقرار کیا، حالانکہ وہ آپ کو جھٹلانے والوں میں سے تھے، کہ آپ کو علم تھا اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا، اور ان سے وہ کچھ پوچھے گا جو وہ پہلے سے جانتا ہے، تاکہ ان پر یا ان کے لیے حجت قائم ہو، یہاں تک کہ ہر گواہ اپنی گواہی لائے گا۔

ایک (روایت) میں آیا ہے: جہاں تک موذن کی آواز پہنچتی ہے تو وہاں کی ہر خشک و تر شے اِس کی گواہی دیتی ہے۔ اِسی لیے شیطان آذان کی آواز سے بھاگتا ہے، تاکہ نہ موذن کی آواز سنے اور نہ اُسے گواہی دینی پڑے، کہ اس گواہی دینے سے وہ اس موذن کو سعادت بخشنے میں اس کا حامی اور مددگار ہوگا، جبکہ وہ تو پکا دشمن ہے، اِس کے پاس تو ہمارے لیے کوئی بھلائی نہیں، اللہ کی اس پر لعنت ہو۔

اگر دشمن کے لیے بھی وہ گواہی لازم ہے جس پر تو اسے گواہ بنائے، تو پھر

تیرے دوست اور حبیب، تیرے ہم ملت اور ہم مذہب کی گواہی تو اور زیادہ بہتر اور افضل ہوئی۔ اور یہ بھی اولی ہے کہ تو اِس دنیا میں ان لوگوں کو خود پر وحدانیت اور ایمان کا گواہ بنا۔

پہلی گواہی: الوہت

میرے ساتھیو، میرے بھائیو! اللہ تم سب سے راضی ہو، ایک ضعیف، مسکین اور ہر دم فقیر الی اللہ بندہ تمھیں گواہ بناتا ہے، اور وہی اس کتاب کا مؤلف اور مصنف ہے۔ وہ تمھیں خود پر گواہ بناتا ہے اور اِس سے پہلے وہ اللہ تعالی، اس کے فرشتوں، حاضر اور سننے والے مومنین کو گواہ بنا چکا ہے، وہ قول اور عقیدے سے یہ گواہی دیتا ہے: بیشک اللہ تعالی معبودِ واحد ہے، الوہت میں اُس کا کوئی ثانی نہیں، وہ بیوی اور بیٹے سے منزہ ہے۔ وہ مالک ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بادشاہ ہے کہ اُس کا کوئی وزیر نہیں۔ وہ ایسا خالق ہے کہ اس کے ساتھ کوئی صاحبِ تدبیر نہیں۔

وہ اپنی ذات سے موجود ہے، اُسے کسی موجد کی محتاجی نہیں؛ جو اِسے وجود بخشے، بلکہ اس کے سوا تمام موجودات اپنے وجود میں اس کی محتاج ہیں۔ یہ سارا عالم اسی سے موجود ہے، اور وہ اکیلا خود سے موجود ہے۔[1] اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کی

[1] یہاں آپ نے جامع ترین الفاظ میں وحدت الوجود کا عقیدہ بھی بیان کر دیا۔ اس سے آسان زبان میں عوام کے لیے وحدت الوجود کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایک جملہ قابل غور ہے۔ وہ اپنی ذات سے موجود ہے: یعنی حق سبحانہ وتعالی اپنی ذات سے موجود ہے اسے وجود میں کسی کی محتاجی لاحق نہیں، اور اس کے سوا تمام موجودات وجود پذیر ہونے میں اس کی محتاج ہیں۔ چنانچہ وہ واجب الوجود ہے اور باقی سب ممکن الوجود ہیں۔ واجب اور ممکن کا فرق

بقا کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ تو بغیر کسی قید کے مطلق وجود ہے۔ وہ خود سے قائم ہے: نہ کسی جوہر سے متحیّز ہے کہ اُس کی جگہ کا اندازہ لگایا جائے[1]، اور نہ وہ عَرَض[2] ہے کہ اُس کی (خود سے) بقا ہی نا ممکن ہو، نہ وہ جسم ہے کہ اس کے لیے جہت اور سمت ہو۔ وہ تمام جہات اور اطراف سے آزاد ہے۔ اگر وہ چاہے تو اسے آنکھوں اور قلوب[3] سے دیکھا جاتا ہے۔

وہ اپنے عرش پر ایسے قائم ہوا جیسے اُس نے کہا، اُس معنی پر جو اُس کی مراد تھی، جیسا کہ عرش اور اُس کے سوا ہر شے اُسی سے قائم ہے۔ اُسی کے لیے ابتدا اور انتہا ہے۔ عقل میں آنے والی اس کی کوئی مثال نہیں، اور نہ عقول اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ وہ وقت کی قید میں ہے اور نہ جگہ کے احاطے میں۔ بلکہ وہ تھا اور مکان نہ تھا اور وہ اب

ہی اس عقیدے کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔ شیخ وحدت الذوات کی بات نہیں کرتے کہ خالق مخلوق کی ذات کا عین ہے یا مخلوق خالق کی ذات کا عین ہے، بلکہ وحدت الوجود کی بات کرتے ہیں کہ حق اپنی ذات سے موجود ہے اور تمام مخلوقات اس سے موجود ہیں، یا حق اشیا کے وجود کا عین ہے۔

[1] اپنی کتاب بد العارف میں ابن سبعین جوہر کی تعریف اس طرح سے کرتے ہیں: الجوھر بالجملة هو القائم بنفسه القابل للصفات والذي له حجم وله بالذات أحياز جوہر اسے کہتے ہیں جو خود سے قائم ہو، جو صفات قبول کرے، اس کا ایک حجم ہو اور جو اپنے وجود میں جگہ گھیرے، اس تعریف کے مطابق حق سبحانہ جوہر نہیں؛ کیونکہ نہ وہ مادہ ہے اور نہ جگہ گھیرتا ہے۔

[2] عرض اسے کہتے ہیں جو اپنی بقا میں کسی غیر جوہر کی محتاج ہو۔

[3] قلوب سے دیکھنا تو دنیا میں ممکن ہے لیکن آنکھوں سے دیدار جنت سے مخصوص ہے اس کی مزید تفصیل جنت کے باب میں آئے گی۔

بھی ویسا ہی ہے جیسے وہ تھا۔ وہی مکان و مکین، زمان (وزمین) کا خالق ہے، اس کا کہنا ہے: میں ہی الواحد اور الحی ہوں، اور مخلوقات کی حفاظت اس پر دشوار نہیں۔ اور اس کی جانب مخلوقات کی تخلیق سے کوئی ایسی صفت نہیں لوٹتی جس پر وہ (ازلاً) نہ تھا[1]۔ پاک ہے وہ کہ حوادث اُس میں رہیں یا وہ اِن میں رہے، یا وہ (حوادث) اس کے بعد ہوں یا یہ اُن سے پہلے ہو۔ بلکہ کہا جاتا ہے: وہ ہے اور اُس کے ساتھ کوئی شے نہیں۔ کیونکہ "پہلے" اور "بعد" تو وقت کے وہ صیغے ہیں جسے اُسی نے بنایا۔

وہ ایسا "القیوم" ہے کہ اسے نیند نہیں، وہ ایسا "القاہر" ہے کہ اُس سے امید[2] نہیں۔ ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اُس جیسی کوئی شے نہیں۔ اُس نے عرش کو تخلیق کیا تو اِسے استوا کی حد بنایا۔ کرسی بنائی تو اسے زمین اور عُلوی آسمانوں تک پھیلایا۔ لوح اور قلم اعلیٰ ایجاد کیا تو اِسے اپنے علم کے حساب سے اپنی مخلوق میں فیصلے

---

[1] شیخ اکبر نے یہ جملہ اِس لیے عقیدے میں شامل کیا کہ کہیں یہ نہ سوچ لیا جائے کہ مخلوق کی تخلیق سے اُس خالق کی جانب ایسی صفات لوٹیں جن سے وہ پہلے موصوف نہ تھا، جیسے تخلیق کے بعد وہ خالق بنا، عبادت کے بعد معبود بنا، رزق عطا کرنے کی بعد رزاق بنا وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ شیخ اکبر کے نزدیک صفات نسبتیں ہیں لہذا نسبتیں وجودِ اعیان نہیں رکھتیں، اسی لیے شیخ نے صفات کو ذات سے زائد اعیان قرار نہیں دیا بلکہ انہیں نسبتیں اور اضافتیں کہا اور وہ اپنی ذات میں کامل اور مکمل ہے۔

[2] کیونکہ امید اسم الرب، الرحمن الرحیم سے کی جاتی ہے۔ اسم القاہر سے تو پناہ مانگی جاتی ہے۔

کے روز تک کے لیے چلایا۔[۱] اُس نے یہ سارا عالم کسی سابق مثال کے بغیر بنایا[۲]۔ مخلوق کو تخلیق کیا اور انہیں بھی تخلیق کی صفت بخشی۔ ارواح کو اجسام میں امینوں کی حیثیت سے اتارا، اور پھر جن اجسام میں یہ ارواح اتاریں گئی انہیں اِس زمین میں خلیفہ بنایا۔[۳] اُس نے ہمارے لیے اپنی طرف سے زمین و آسمانوں کی ہر شے مسخر کی، پس ہر ذرہ اُس کی طرف اور اُسی سے حرکت کرتا ہے۔

اس نے سب کو بغیر حاجت کے تخلیق کیا، اور کسی سبب نے اس پر یہ واجب نہ کیا[۴]؛ لیکن یہ اس کے سابق علم میں تھا کہ وہ یہ سب تخلیق کرے گا جو تخلیق کیا[۵]۔ پس ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَ الْأٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ﴾ (الحدید: ۳) وہ اوّل و آخر، ظاہر و باطن ہے ﴿وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (المائدہ: ۱۲۰) اور وہ ہر شے پر قادر ہے ﴿اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق: ۱۲) اُس نے علم سے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿وَ اَحْصٰى

---

[۱] لوح و قلم میں وہ سب درج ہے جو قیامت تک ہونا ہے۔ چلانے کا مطلب ہے یہ سب نقل کیا۔

[۲] اسم البدیع کا مطلب ہے ایسا خالق جو سابق مثال کے بغیر تخلیق کرے۔

[۳] یعنی روح کو شہر جسم میں خلافت بخشی۔

[۴] یہ حق تعالی کی بے نیازی کی جانب اشارہ ہے کہ اس کا مخلوق کو تخلیق کرنا مخلوق کے جبر سے نہیں، مخلوق تو صرف درخواست، التجا اور فریاد کر سکتی ہے اور اس کے بعد اس کی مرضی ہے کہ چاہے انہیں تخلیق کرے، چاہے نہ کرے۔

[۵] اس مقام پر شیخ نے نہایت خوبصورتی سے اپنے عقیدے؛ علم معلوم کے تابع ہے کو بیان کیا ہے۔ چونکہ اس کے علم میں تھا کہ وہ یہ سب تخلیق کرے گا تو اس نے یہ سب تخلیق کیا لیکن یہ کسی جبر سے نہ تھا بلکہ یہ اس کی مشیت کا نتیجہ ہے۔

كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ (الجن: ۲۸) اور ہر شے کا شمار کر رکھا ہے ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى﴾ (طه: ۷) وہ سِرّ اور اخفٰی کو جانتا ہے۔ اور ﴿خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ (المومن: ۱۹) وہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے رازوں سے آگاہ ہے۔ اور اسے اُس شے کا کیونکر نہ پتا ہو جسے اُس نے تخلیق کیا؟ ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الملك: ۱۴) کیا اسے علم نہیں جس نے تخلیق کیا، اور وہ تو لطیف اور خبیر ہے۔

اس نے اشیا کو اُن کے وجود سے قبل اُنہی سے جانا،[1] اور پھر انہیں اس علم کے مطابق وجود بخشا جیسا جانا۔ وہ ہمیشہ سے اشیا کا جاننے والا ہے۔ ان کی نشات کے تجدد سے اُس کا علم متجدد نہیں ہوتا۔[2] اپنے علم سے اُس نے اشیا کو استوار کیا اور استحکام بخشا، اور اسی (علم) سے ان پر حکم لگایا اور حاکم بنایا۔ وہ مطلقاً کلیات کا جاننے والا ہے۔ جیسا کہ راست اہل عقل کے اجماع اور اتفاق سے وہ جزئیات کا جاننے والا ہے۔ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ (الانعام: ۷۳) وہ غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے۔ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۹۰) پس بلند ہے وہ اِن سے جنہیں وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (هود: ۱۰۷) وہ اپنے ارادے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور

[1] یہ جملہ بھی شیخ کے عقیدے؛ علم معلوم کے تابع ہے کی تشریح ہے، وہ اس طرح کہ اس نے اشیا کو انہی اشیا سے جانا، یعنی ان اشیا نے حالت عدم میں اسے یہ بتایا کہ وہ کیسی ہیں، اور پھر اس نے انہی احوال پر انہیں تخلیق کیا۔

[2] وہ ازلا اشیا کو جانتا ہے، اور جب کوئی شے اس کی مشیت اور قدرت سے اپنی ازلی عدمی حالت کو چھوڑ کر وجود میں آتی ہے تو اس کا علم متجدد نہیں ہوتا بلکہ وہ پہلے سے جانتا ہے کہ جب یہ وجود پذیر ہو گی تو کیسی ہو گی۔

اس عالم ارض و سما میں اُس کا ارادہ ایجاد سے متعلق ہے۔[1] اس کی قدرت اس وقت کسی شے سے جڑتی ہے جب وہ اس کا ارادہ کرے۔ جیسا کہ وہ اس وقت تک ارادہ نہیں کرتا جب تک کہ اُسے جان نہ لے۔ کہ عقلاً یہ بھی محال ہے کہ وہ بغیر جانے ارادہ کرے، یا کوئی صاحب اختیار –جو ترک پر قادر ہو– وہ کرے جو اُس کا ارادہ نہیں۔ جیسا کہ یہ بھی محال ہے کہ ان حقائق کی نسبتیں کسی مردہ میں وجود پذیر ہوں۔ جیسا کہ صفات کا اُن سے موصوف ذات کے سوا وجود محال ہے۔[2]

وجود میں واقع ہر فرمانبرداری اور نافرمانی، نفع اور نقصان، غلام اور آزاد، ٹھنڈا اور گرم، زندگی اور موت، حاصل اور لاحاصل، دن اور رات، اعتدال اور میلان، خشکی اور تری، طاق اور جفت، جوہر اور عَرَض، صحت اور مرض، خوشی اور غمی، روح اور جسم، تاریکی اور نور، زمین و آسمان، ترکیب و تحلیل، کثیر و قلیل، صبح و شام، سیاہ و سفید، بیداری و نیند، ظاہر و باطن، متحرک و ساکن، خشک و تر، قشر و مغز، اور ان مختلف متضاد اور متماثل نسبتوں والی کوئی شے بھی ہے تو وہ حق تعالی کی مراد ہے[3]، اور وہ کیسے مراد نہ

---

[1] یہاں بھی شیخ نے اپنا عقیدہ واضح کر دیا کہ ارادے کا تعلق ایجاد سے ہے، اور اس کی وجہ قرآن مجید میں بار بار لفظ ارادہ کا ایجاد کے ساتھ آنا ہے، جیسا کہ اس متعال نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ﴾ وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

[2] اس مقام پر شیخ نے صفات کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس میں تفصیل ہے جو آپ نے فتوحات مکیہ کے مقدمے میں بیان کی ہے۔

[3] یہ بہت اہم جملہ ہے کہ شیخ نے اپنے عقیدے کے مطابق وجود کی ہر حرکت کو اللہ تعالی کی مراد کہا، یعنی اللہ کے ارادے سے کہا، چونکہ ارادے کا تعلق مشیت سے ہے تو یہ سب اس

ہو کہ اُسی نے اسے ایجاد کیا، کوئی مختار اُسے کیسے ایجاد کر سکتا ہے جس کا ارادہ نہ کرے؟ کوئی اس کا امر لوٹا نہیں سکتا، اور کوئی اس کا حکم جھٹلا نہیں سکتا۔ وہ اپنی مشیت کے مطابق بادشاہت دیتا ہے اور اپنی مشیت کے مطابق بادشاہت چھین بھی لیتا ہے، وہ اپنی مشیت کے مطابق عزت دیتا ہے اور اِسی مشیت کے مطابق عزت چھین بھی لیتا ہے۔ ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (الرعد: ۹۳) وہ اپنی مشیت کے مطابق گمراہی دیتا ہے اور مشیت کے مطابق ہدایت بانٹتا ہے۔ جو اس کی مشیت میں تھا وہ ہوا، اور جس کا ہونا اُس کی مشیت میں نہ تھا وہ نہ ہوا۔[1]

اگر تمام مخلوقات مل کر کسی شے کا ارادہ کریں اور اللہ کا ارادہ ان کے ارادے کے موافق نہ ہو تو وہ ایسا نہیں کر سکتیں، یا وہ کچھ ایجاد کرنا چاہیں جس کی ایجاد کا اللہ نے ارادہ نہ کیا، تو وہ ایسا ارادہ بھی اسی وقت کر سکتیں ہیں جب (اللہ) یہ ارادہ کرے کہ ہاں اب یہ ارادہ کر سکتیں ہیں، بصورت دیگر وہ ایسا نہیں کر سکتیں اور نہ اس نے انہیں اس

کی مشیت سے ہوا، اور مشیت کا تعلق علم سے ہے تو یہ سب اس کے علم میں تھا، چونکہ علم کا تعلق معلوم سے ہے تو یہ سب معلوم کے احوال کے مطابق ہوا۔ اور یہی شیخ اکبر کا اصل عقیدہ ہے کہ علم معلوم کے تابع ہے۔

[1] یہاں آپ ارادے کے بعد اب مشیت کی بات کر رہے ہیں، ارادہ مشیت کے تابع ہے، ارادہ کسی شے کو ظاہر کرنے کا نام ہے لیکن اس ظہور سے پہلے اس کا حتمی فیصلہ ضروری ہے اور یہی مشیت ہے۔ لہذا جو کچھ اس کائنات میں ظاہر ہوا وہ اس کی مشیت سے ہوا، اسی طرح جس کا ظہور پذیر ہونا اس کی مشیت میں نہ تھا اس کا ارادہ بھی نہ ہوا اور وہ شے ظاہر بھی نہ ہوئی۔

فعل کی قدرت دی۔[1]

پس کفر و ایمان، طاعت و عصیان اُس کی مشیت، اُس کے حکم اور ارادے سے ہے۔ وہ سبحانہ اِس ارادے سے ازلاً موصوف ہے، اور یہ عالم معدوم اور غیر موجود ہے، اگرچہ اپنی عین اور علم میں ثابت ہے۔ پھر اُس نے بغیر کسی تفکر اور تدبر۔یعنی جہالت یالاعلمی۔کے اس عالم کو وجود بخشا، اور یہ نہیں کہ تفکر اور تدبر نے اسے وہ علم دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔ وہ تو اس سے پاک اور بلند ہے۔[2] بلکہ اُس نے اسے سابق علم، منزہ ازلی ارادے کی تعیین سے ایجاد کیا، اور یہی (ارادہ) اس عالم پر حکم چلاتا ہے جس میں اس نے زمان و مکان، رنگ و روپ کو تخلیق کیا۔ پس حقیقت میں اس کے سوا کوئی صاحب ارادہ نہیں۔ کہ وہ سبحانہ فرماتا ہے: ﴿ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الدھر: ۳۰) اور تمہاری مشیت تبھی ہے جب اللہ کی مشیت ہو۔

---

[1] یہاں پر شیخ نے اپنے ارادے والے عقیدے کی مزید تفصیل بیان کی ہے۔ اور آپ کے مطابق اِس کائنات میں اُسی کا ارادہ ہے جس کے پاس اختیار اور قدرت ہے، چونکہ ارادے کا مطلب کسی شے کو ایجاد کرنا ہے تو لازم ہے کہ وہی ایسا کرے جس کے پاس ایجاد کی قدرت ہو، اور ایسی قدرت پوری کائنات میں صرف حق تعالی کو ہی حاصل ہے کیونکہ وہ اپنی ذات سے غنی ہے اور کسی کا محتاج نہیں۔ لہذا شیخ اکبر کے بقول چونکہ مخلوقات محتاج ہیں لہذا وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتیں اور ہر شے کا وجود پذیر ہونا ارادہ الٰہی سے ہے۔

[2] یہاں شیخ نے کائنات کی ایجاد کو تدبیر اور تفکیر کے سوا قرار دیا، وہ اس لیے کہ جو کوئی تدبیر اور تفکیر کی صفات سے کام لیتا ہے تو وہ ان کا محتاج ہوتا ہے اور ذات الٰہی خود سے کامل ہے وہ ذات سے زائد کسی معاملے کی محتاج نہیں۔

اُس سبحانہ نے جیسا جانا ویسا حکم لگایا[1]، ارادہ کیا تو تخصیص بخشی[2]، اور عین کو اُس کے وقت پر ایجاد کیا۔ اسی طرح اس نے سُنا اور دیکھا جو چلا یا ٹھہرا، یا عالم اسفل اور اعلی میں مخلوقات میں بولا۔ دوری اُس کی سماعت میں مانع نہیں کہ وہ قریب ہے، اور قربت اُس کے دیکھنے میں حائل نہیں کہ وہ بعید ہے۔ وہ نفس کی بات نفس میں سنتا ہے اور چھونے کی ہلکی سرسراہٹ سے بھی واقف ہے۔ وہ گھپ اندھیرے میں سیاہی اور پانی میں پانی کو دیکھتا ہے۔ روشنی، تاریکی یا ان کی آمیزش اُسے محجوب نہیں کرتیں[3] ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوری: ۱۱) اور وہ دیکھنے والا سننے والا ہے۔

اس نے ازلی قدیم کلام سے بات کی اور یہ متوہم سکوت اور متقدم خاموشی سے نہ تھی، جیسا کہ اُس کی ساری صفات (ازلی اور قدیم) ہیں: جیسے علم، ارادہ، قدرت (وغیرہ) اسی سے اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ اور اِس (کلام کا نام) قرآن، زبور،

---

[1] اس مقام پر پھر ایک دفعہ واضح کیا کہ مشیت علم کے تابع ہے؛ سو اس نے جیسا جانا ویسا حکم لگایا، حکم مشیت ہے، جاننا علم ہے اور تخصیص دینا ارادہ ہے۔

[2] یہاں تخصیص بخشنے سے مراد وجود بخشنا ہے کہ جب اُس نے کسی ممکن الوجود کو وجود پذیر کرنا چاہا تو اُسے وجود سے آراستہ کیا، چونکہ ممکن وجود اور عدم دونوں رخ قبول کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات سے یہ امکان رکھتا ہے، لہٰذا اب کسی ایک رخ کو دوسرے کے مقابل ترجیح دینا ہی واجب کا کام ہے۔ اسی لیے جب اس نے تخلیق کیا تو ترجیح دی، یعنی اس ممکن کے حق میں وجود والی حالت کو عدم والی حالت پر ترجیح دی۔

[3] یہ سب عوامی انداز میں سمجھایا گیا ہے ورگرنہ آپ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ وہ اپنی ذات سے ہر ثابت اور خارج عین کو جانتا ہے۔ اور ان کے احوال کی تبدیلی سے اس کا علم متجدد نہیں ہوتا۔

تورات اور انجیل رکھا۔ یہ (کلام) حروف اور آوازوں، ترنم اور زبانوں کے سوا تھا، بلکہ وہی آوازوں، حروف اور زبانوں کا خالق ہے۔[1]

اُس کا کلام تالو اور زبان کے بغیر ہے، جیسے اُس کی سماعت سوراخ والے کان کے بغیر ہے، یا جیسے اُس کی بصارت آنکھ کی پتلی اور مژگان کے بغیر ہے۔ اور جیسے اُس کا ارادہ قلب اور نہاں کے بغیر ہے۔ جیسے اُس کا علم اضطرار اور غور و فکر والی برہان کے بغیر ہے۔ جیسے اُس کی زندگی جوف دار قلب کے اُس بخار کے بغیر ہے جس نے ارکان کے امتزاج سے جنم لیا۔ اور جیسے اس کی ذات زیادتی اور نقصان کے بغیر ہے۔

پس پاک ہے وہ جو بعید بھی ہے اور قریب بھی، عظیم سلطان، عمیم احسان اور بڑی عنایت والا۔ اُس کے سوا ہر ایک اُسی کی سخاوت سے فیض یافتہ ہے، اور اُسی کا فضل و عدل اسے قبض و بسط میں لاتا ہے۔

اسی نے جب عالم کو تخلیق کیا تو بغیر کسی سابق مثال کے بنایا[2]۔ اُس کی ملکیت میں کوئی شریک نہیں اور اس کی بادشاہت میں کوئی مدبر نہیں۔ اگر وہ انعام کرے اور سکھ پہنچائے تو یہ اُس کا فضل ہے، اور اگر وہ آزمائش میں ڈالے اور تکلیف کا

---

[1] اس پیراگراف میں بھی شیخ نے عوامی انداز میں بات سمجھائی ہے، حق تعالی کی تمام صفات کو ازلی قرار دیا ہے کہ کہیں عوام انہیں اپنی جیسی حادث صفات خیال نہ کریں۔

[2] اسم البدیع وہ اسم ہے کہ جس کی تخلیق بغیر سابق مثال کے ہوتی ہے۔ اللہ تعالی نے عالم کو بغیر سابق مثال کے بنایا، اور وہ ہر تخلیق بغیر سابق مثال کے کرتا ہے کیونکہ شیخ اکبر نے بتایا ہے کہ عالم میں سے ہر شے کی ایک عین ثابت ہے اور وہ عین دیگر اعیان سے متمیز ہے لہذا جب اسے ایجاد کیا جائے گا تو یہ بغیر سابق مثال کے ہی ہو گا۔

مزہ چکھائے تو یہ اُس کا عدل ہے[1]۔ اُس نے کسی غیر کی ملکیت میں تصرف ہی نہیں کیا کہ وہ ظلم و ستم سے منسوب ہو۔ اور نہ ہی کبھی اس (ملکیت) پر اُس کے سوا کسی کا حکم چلا کہ وہ اِس بات پر غمگین اور خائف ہو۔ اُس کے سوا ہر ایک اس کے قہر تلے، اسی کے ارادے اور حکم سے چلتا ہے۔

وہ مکلفین کے نفوس کو پرہیز گاری اور بد کاری الہام کرتا ہے۔[2] وہ اپنی مشیت کے مطابق ان کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے یہاں اور دار آخرت میں پکڑ کرتا ہے۔ اُس کا عدل اس کے فضل میں مخل نہیں، اور اُس کا فضل اس کے عدل میں مخل نہیں۔

اس نے عالم کو دو مٹھیوں سے نکالا اور ان کے لیے دو گھر بنائے۔ فرمایا: "یہ جنت والے ہیں اور مجھے پرواہ نہیں اور یہ دوزخ والے ہیں اور مجھے پرواہ نہیں۔" وہاں تو کسی معترض نے اس پر اعتراض نہ کیا، کہ وہاں اس کے سوا موجود کون تھا؟ سب اس کے اسما کے تصرف تلے ہیں: ایک مٹھی آزمائش والے اسما تلے اور ایک مٹھی نعمت والے اسما تلے۔

اگر وہ سبحانہ ارادہ کرتا کہ عالم سارے کا سارا خوش بخت ہوتا تو ایسا ہی ہوتا، یا سارے کا سارا بد بخت ہوتا تو ویسا ہوتا، لیکن اُس نے ایسا ارادہ نہ کیا، اور وہی ہوا جو ارادہ

---

[1] اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب رب سے مانگو تو فضل مانگو نہ کہ عدل کیونکہ اگر وہ عدل کرے گا تو کوئی سزا سے نہیں بچ پائے گا۔ اور اس کے انعامات صرف فضل سے ہی مل سکتے ہیں۔

[2] یہاں پر نفوس کو پرہیز گاری اور بد کاری کا الہام عین کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ جس عین نے جو تقاضا کیا اسے وہی کچھ عطا ہوا۔

کیا۔[1] سو یہاں اور روزِ جزا اِن میں خوش بخت بھی ہیں اور بد بخت بھی۔ لہٰذا اس میں تبدیلی نہیں جس پر قدیم نے حکم لگایا، نماز کے بارے میں اُس متعال نے فرمایا: یہ پانچ ہی پچاس ہیں۔ ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (ق: ۲۹) میرے ہاں قول تبدیل نہیں ہوتا اور نہ ہی میں بندوں پر ظلم ڈھاتا ہوں﴾ کیونکہ میں اپنی ملکیت میں تصرف اور اپنی بادشاہت میں اپنی مشیت نافذ کرتا ہوں۔

یہ اس حقیقت کے باعث ہے جس سے بصر اور بصیرت اندھی ہیں، افکار اور ضمائر اس تک نہ پہنچ پائے، مگر وہبِ الٰہی اور جُودِ رحمانی سے، صرف وہ پہنچا جس پر اللہ نے کرم کیا، یا جس کے لیے حاضرت شہود میں یہ پہلے سے درج تھا۔[2] سو اُس نے جانا جب اُسے بتایا گیا کہ یہ تقسیم الوہت کی عطا، اور یہ قدیمی رقائق کا تانا بانا ہے۔

پس پاک ہے وہ کہ جس کے سوا کوئی فاعل نہیں[3]، جس کے سوا کوئی موجود اپنی ذات سے قائم نہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصافات: ۹۶) اللہ تمہارا

---

[1] شیخ کے علوم کی روشنی میں یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ارادہ مشیت کے تابع ہے اور مشیت علم کے تابع ہے اور علم معلوم کے تابع ہے۔ اس لیے اس نے ایسا ارادہ نہ کیا، بلکہ وہی ارادہ کیا جو اس کے علم میں تھا۔

[2] یہاں شیخ یہ بتا رہے ہیں کہ آپ جن حقائق سے پردے اٹھا رہے ہیں ان تک اہل فکر اپنی فکر اور عقل سے نہیں پہنچ سکتے، بلکہ یہ تو وہبِ الٰہی اور جودِ رحمانی کی عطا ہے۔ یہ ازلی معاملات ہیں، کسب کا ان میں عمل دخل نہیں۔

[3] یہ عقیدے کے مبہم ترین مسائل میں سے ہے کہ فعل کی اضافت کس کی جانب ہے اور فعل کا صدور کس سے ہے۔ شیخ نے فتوحات مکیہ میں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بات کی ہے۔

اور تمہارے اعمال کا خالق ہے۔ ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ (الانبیا: ۲۳) اُس سے اس کے کاموں کا پوچھا نہیں جاتا، جبکہ اِن سے پوچھا جاتا ہے۔ ﴿فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (الانعام: ۱۴۹) پس بالغ حجت تو اللہ کے پاس ہی ہے، اگر اُس کی مشیت میں ہوتا تو وہ تم سب کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔

دوسری گواہی: رسالت

جیسے میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اُس کے فرشتوں، اُس کی ساری مخلوق اور تمہیں خود پر گواہ بنا کر اُس کی توحید کا اقرار کیا، اسی طرح میں اُس سبحانہ، اس کے فرشتوں، اُس کی ساری مخلوقات اور تمہیں اپنے نفس پر بھی گواہ بناتا ہوں کہ میں اُس کی چنندہ اور مختار ہستی، جسے اُس نے اپنے نور سے بنایا[1]، یعنی ہمارے سردار محمد ﷺ پر ایمان لایا، جسے اُس نے تمام انسانیت کی طرف ﴿وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (۴۵) وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ (الاحزاب ۴۵-۴۶) خوشخبری اور ڈر سنانے والا اور اُس کے حکم سے اُسی کی طرف بلانے والا رسول اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

سو آپ نے وہ پیغام آگے پہنچایا جو آپ کے ربّ نے آپ کو امانتاً دیا، حجۃ الوداع میں حاضرین سے مخاطب ہوئے تو وعظ فرمایا، انہیں متنبہ کیا اور خوف دلایا، بشارت سنائی اور ڈرایا، پھر وعد و وعید کے بارے میں بتایا، یہ ابر (رحمت) گرجا اور کھل کر برسا، اور واحد الصمد کے اِذن سے کی گئی اِس تلقین کو کسی ایک فرد سے خاص نہ کیا، بلکہ فرمایا: "کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟" وہ بولے: پہنچا دیا، یا رسول اللہ! پھر فرمایا: اے

---

[1] لفظی ترجمہ ہے: جسے اُس نے اپنے وجود سے چنا۔

اللہ، گواہ رہنا۔

میں ہر اُس شے پر ایمان رکھتا ہوں جو آپ ﷺ نے بتائی، چاہے مجھے اُس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اور آپ نے بتایا کہ اللہ کے ہاں موت کا ایک وقت مقرر ہے، اور جب موت کا وقت آ جائے تو وہ موخر نہیں ہوتا، میں اِس بات پر ایمان رکھتا ہوں؛ ایسا ایمان جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

جیسا کہ میرا یہ بھی ایمان اور اقرار ہے کہ قبر میں دو فرشتوں کا سوال حق ہے، عذاب قبر حق ہے، اجساد کا قبور سے اٹھائے جانا حق ہے، اللہ تعالی کے حضور پیشی حق ہے۔ حوض بھی حق ہے اور میزان بھی حق ہے۔ اعمال ناموں کا اڑنا، پل صراط، جنت اور دوزخ بھی حق ہیں۔ ایک گروہ کا جنت میں آنا اور دوسرے کا جہنم میں جانا بھی حق ہے۔ اسی طرح ایک گروہ پر روزِ قیامت کی سختیوں کا ہونا بھی حق ہے، جبکہ دوسرا گروہ ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ (الأنبیا: ۱۰۳) اس عظیم سختی سے بے فکر ہو گا۔[1]

اسی طرح ملائکہ، انبیا اور مومنین کی شفاعت، اور شفاعت کے بعد ارحم الرحمین کا اپنی مشیت کے مطابق کسی کو آگ سے نکالنا بھی حق ہے، پھر مومنین میں سے کبیرہ گناہ کرنے والی ایک جماعت کا دوزخ میں جانا اور بسبب شفاعت و احسان اس سے باہر آنا بھی حق ہے۔ مومنین اور موحدین کا جنتوں کی نعمتوں میں سدا رہنا بھی حق ہے اور اہل دوزخ کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا بھی حق ہے۔ اسی طرح ہر وہ بات جو اللہ کی کتابوں میں آئی یا اُس کے رسولوں نے بتائی، چاہے وہ لاعلمی کی نذر ہوئی یا علم میں سمائی، وہ بات بھی حق ہے۔

---

[1] اسی کتاب کے ابواب میں آپ یہ تفصیل بھی پڑھیں گے کہ شیخ نے کس طرح سے قیامت کی نشأت کو حسی نشأت قرار دیا، اور معنوی قیامت کی بات کرنے والوں کو جاہل کہا۔

یہ میری ذات پر میری گواہی ہے، جس تک پہنچے اُس کے پاس میری امانت ہے، اور جب اُس سے اِس کے بارے میں پوچھا جائے تو اُسے یہ ادا کرنی چاہیے۔ اللہ ہمیں اور تمہیں اس ایمان سے فائدہ پہنچائے، اور اِس جہانِ فانی سے اُس جہانِ باقی میں جاتے وقت اس پر استقامت نصیب فرمائے، ہمیں وہاں عزت اور رضا کے گھر میں ٹھہرائے، (کاش) وہ ہمارے اور اُس آگ کے درمیان آ جائے، اور ہمیں اُن لوگوں میں سے بنائے، جو اس کی کتابوں پر ایمان لائے، جو حوض کوثر سے سیراب واپس آئے، جن کا نیکی والا پلڑا بھاری رہا اور جن کے قدم پل صراط پر نہ ڈگمگائے؛ بیشک وہی صاحبِ انعام و احسان ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ (الاعراف: ۴۳) سب تعریف اللہ کی جس نے ہمیں یہ راہ دکھائی، اور ہم خود سے یہ نہیں جان سکتے تھے جب تک کہ ہمیں اللہ نہ بتاتا، بیشک ہمارے ربّ کے رسول حق بات لے کر آئے۔ یہ اہل اسلام کے عوام کا ملخّص اور مختصر عقیدہ ہے، جن میں اہل تقلید اور اہل عقل دونوں شامل ہیں۔

اور جہاں تک "عقیدہ خاص الخاص" کی بات ہے تو میں نے یہ متعین کر کے نہیں لکھا، کیونکہ اس میں گہرائی ہے۔ بلکہ اِسے اِس کتاب (یعنی فتوحات مکیہ) کے ابواب میں پھیلا دیا، مگر اِس کے تمام پہلوؤں کی وضاحت بھی کی ہے، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا، یہ متفرق ہے۔ سو جسے اللہ نے اس کی فہم عطا کی، تو وہ اسے جان لے گا، اور دیگر باتوں سے جدا کر کے پہچان لے گا۔ کیونکہ یہ علم حق اور قول صدق ہے۔ اور اس کے بعد تو کوئی خواہش نہیں۔ اس میں نابینا اور بینا برابر ہیں۔ یہ دور والوں کو قرب والوں سے ملاتا اور کم مرتبت کو اعلیٰ مرتبت سے جوڑتا ہے۔

بیشک اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور اُس کے سوا کوئی ربّ نہیں۔

فتوحات مکیہ
باب نمبر تریسٹھ
دنیا اور آخرت کے درمیان
لوگوں کے برزخ میں ہونے کی معرفت

[اشعار]

دنیا اور قیامت کے درمیان غور کرنے والے کے لیے برزخی مراتب کی فصیلیں ہیں۔ یہ مراتب اسی حکم پر مشتمل ہے جن پر یہ شخص موت سے پہلے دنیا میں تھا، اِس پر غور کر۔ ان مراتب کا ہر ایک پر زور اور غلبہ ہے، یہ عجائب کو ظاہر کرتے ہیں، کہ نہ چھوڑتے ہیں اور نہ باقی رکھتے ہیں۔ وجود میں ان کی قید کے بغیر ایک وسیع جولان گاہ ہے جو بے نشاں اور بے وجود ہے۔[1] یہ (مراتب) حق کو "کُن" کہتے ہیں اور حق ہی ان کا خالق ہے، تو بشر ان کے احکام سے کیسے باہر جا سکتا ہے! انہی میں علوم ہیں اور انہی میں ساری مصیبتیں ہیں، انہی میں دلائل، اعجاز اور تعبیریں ہیں۔ اگر خیال نہ ہوتا تو ہم آج بھی عدم میں ہوتے، نہ ہماری کوئی غرض پوری ہوتی اور نہ کوئی امید بر آتی۔ اگر تو اسے سمجھے تو "کَأَنَّ" یعنی خیال کی قوت شرع سے ہے، عقل و فکر بھی یہی کہتی ہے۔ ان کے حروف میں صفات کا کاف ہے، یہ صورتوں سے جدا نہیں ہوتا مگر اور صورتیں آتیں ہیں۔

---

[1] بے نشاں اور بے وجود اس طرح کہ یہ عالم خیال میں ہے۔

ہمارا کہنا: "گویا کہ" کی قوت، یعنی "خیال کی قوت" کہ یہی "گویا کہ" کا عین ہے، کہ یہ آپ ﷺ کے اِس قول کا معنی ہے: اللہ کی ایسے عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ "كَأَنَّ"[1] "خبر ہے اور "قوت" اس کا مبتدا ہے، اور بات کچھ یوں ہے: الفاظ میں حاضرت خیال کی قوت لفظ "كَأَنَّ" میں ہے۔[2]

---

[1] عربی میں لفظ "کأن" کا مطلب "گویا کہ" ہے۔

[2] یہ صحیح بخاری کی اِس حدیث نبوی ﷺ کی جانب اشارہ ہے جسے حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا: ایک روز رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے بیٹھے تھے کہ ایک شخص چلتا ہوا آیا، کہتا ہے: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، اس سے ملاقات پر، اور آخرت میں دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لا۔ اس نے پھر پوچھا: یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا، نماز قائم کر، فرض زکوۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ۔ پھر اس نے سوال کیا: احسان کیا ہے؟ فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی ایسے عبادت کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر پوچھا: یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا، لیکن میں تجھے اس کی چند نشانیاں بتاتا ہوں: جب لونڈی اپنے آقا کو جنے تو یہ قیامت کی نشانی ہے، جب یہ جسم اور پیر ننگے لوگ لیڈر بن جائیں تو یہ بھی اس کی نشانی ہے۔ اور قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے: ﴿بیشک اللہ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے، اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ رحم میں کیا ہے﴾ پھر وہ شخص چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: اسے واپس لے کر آؤ، لیکن جب لوگ اس کے پیچھے گئے تو کچھ نہ ملا، فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔

برزخ کیا ہے؟

یہ جان کے برزخ سے مراد دو معاملات کا وہ درمیانی معاملہ ہے، جو کبھی بھی کسی ایک طرف کو نہیں جاتا۔ جیسے روشنی اور سایے کو جدا کرنے والی لکیر، یا جیسے اُس متعال کا یہ قول: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (۱۹) بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾ (الرحمن: ۱۹-۲۰) دو سمندر ملنا چاہتے ہیں، لیکن ان کے درمیان برزخ ہے سو اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ تجاوز نہیں کرتے مطلب ایک دوسرے میں ضم نہیں ہوتے۔ اگرچہ حِس ان کے درمیان اس روک کے ادراک سے عاجز ہے لیکن عقل یہی بتاتی ہے کہ ان کے درمیان ایک رکاوٹ ہے جو انہیں ملنے سے روکتی ہے۔ یہ معقول رکاوٹ برزخ کہلاتی ہے۔ [1] اگر حِس سے اس کا ادراک ہو جائے تو وہ دونوں میں سے کوئی ایک ہو گا؛ برزخ نہیں۔ اور یہ دونوں معاملات اگر تجاوز کریں تو برزخ کے محتاج ہیں، اور برزخ ان دونوں میں سے کسی ایک کا عین نہیں، اس میں ان دونوں کی قوت ہے۔

چونکہ برزخ معلوم اور غیر معلوم، معدوم اور موجود، منفی اور مثبت، معقول اور غیر معقول میں فرق کرنے والا معاملہ ہے؛ تو اصطلاحاً اس کا نام برزخ رکھا گیا۔ یہ درحقیقت معقول ہے، لیکن صرف خیال ہے۔ اگر تو نے اِس کا ادراک کیا - اور تو صاحب عقل ہوا- تو جان جا کہ تو نے ایک وجودی شے کا ادراک کیا، تیری نظر اسی پر پڑی، اسی طرح تو دلیل سے یہ قطعاً جانتا ہے کہ یہاں اصلا کوئی شے نہیں۔ پھر وہ کیا ہے جس کے لیے تو نے شیئیت وجودی کا اثبات کیا، اور اِس کا اثبات کرتے وقت کس سے اس کی نفی کی؟

---

[1] یہ پیراگراف برزخ کی جامع تعریف ہے۔

خیال کیا ہے؟

پس خیال نہ موجود ہے نہ معدوم، نہ معلوم ہے نہ مجہول، نہ منفی ہے نہ مثبت۔[1] جیسے انسان جب آئینے میں اپنی صورت دیکھتا ہے تو قطعی جان لیتا ہے کہ اس نے ایک رخ سے اپنی صورت کا ادراک کیا، اور یہ بھی قطعی جانتا ہے کہ ایک رخ سے اس نے اپنی صورت کا ادراک نہیں کیا۔ کہ اس نے یہ صورت چھوٹی دیکھی، اگر آئینہ چھوٹا تھا، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس کی اصل صورت تو اس دیکھی گئی صورت سے کافی بڑی ہے اور ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ اسی طرح اگر آئینہ بڑا ہو تو وہ اپنی صورت کو بہت ہی بڑا دیکھتا ہے، وہ قطعی جانتا ہے کہ اس کی اصل صورت اس سے بہت چھوٹی ہے، لیکن اِس کا انکار بھی نہیں کر پاتا کہ اُس نے اپنی صورت دیکھی، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آئینے میں اس کی صورت نہیں، اور نہ یہ آئینے اور اِس کے درمیان ہے، نہ یہ کسی خارجی صورت پر نظر کے نور کا پڑ کر لوٹنا ہے، چاہے یہ اس کی صورت ہو یا کسی اور کی۔ کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ صورت کو اس کی اصل ہیئت پر دیکھتا، جبکہ یہ ایسی نہیں۔ اسی طرح تلوار میں اپنی صورت کا لمبائی اور چوڑائی میں دیکھنا بھی وہ کچھ واضح کرتا ہے جو ہم نے بتایا، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے بلا شک و شبہ اپنی صورت دیکھی، اب نہ یہ اپنے اس قول میں سچا ہے نہ جھوٹا: کہ اِس نے اپنی صورت دیکھی اور اپنی صورت نہ دیکھی۔

---

[1] یہاں خیال کو وجود اور عدم معلوم اور مجہول منفی اور مثبت کے مابین قرار دیا گیا۔ اسے سمجھنے کے لیے پہلے شیخ اکبر کے ہاں وجود اور عدم کو سمجھنا ضروری ہے۔ شیخ کے ہاں وجود کے چار مراتب ہیں اور خیال ان سب مراتب میں نہیں بلکہ ان میں سے چند مراتب وجود میں ہے۔ اسی لیے اس کا ان دونوں سے اتصاف درست ٹھہرا۔ تفصیل کے لیے شیخ اکبر کا رسالہ انشاء الدوائر دیکھیں۔

یہ دیکھی جانے والی صورت کیا ہے، کہاں ہے اور کیسی ہے؟ یہ منفی بھی ہے اور ثابت بھی، موجود بھی ہے اور معدوم بھی، معلوم بھی ہے اور مجہول بھی۔ اللہ سبحانہ نے اپنے بندے کے لیے یہ حقیقت ایک مثال کے طور پر ظاہر کی، تاکہ وہ یہ جانے اور متحقق کرے کہ اگر وہ اس کائنات کی ایک شے کی حقیقت کے ادراک سے عاجز اور حیران ہے، کہ اِس شے کا حقیقی علم نہیں جان پا رہا، تو وہ اپنے خالق کے علم میں تو اور زیادہ عاجز، جاہل، اور حیران ہو گا۔ اس مثال سے اس نے بتایا کہ اس کے لیے تجلیاتِ حق تو اِس سے بھی لطیف اور رقیق معنی رکھتی ہیں جس معاملے میں عقول حیران ہو گئیں، اور جس کی اصل حقیقت تک نہ پہنچ پائیں، ان کا عجز اس قدر بڑھ گیا کہ انہیں یہ کہنا پڑا: کیا اس کی ماہیت ہے یا اس کی کوئی ماہیت نہیں؟ وہ اسے نہ عدم محض سے جوڑ پاتیں ہیں کہ آنکھ نے کچھ تو دیکھا اور نہ وجود محض سے، کیونکہ یہاں کچھ موجود ہی نہیں، اور نہ ہی امکان محض سے۔

عالم خیال:

انسان نیند میں اور اپنی موت کے بعد اِسی حقیقت کی جانب جاتا ہے، اِسے اعراض خود سے قائم صورتیں دکھائی دیتی ہیں، جو اس سے کلام کرتی ہیں اور یہ اُن سے کلام کرتا ہے، یہ ایسے اجساد ہیں جن میں کوئی شک نہیں۔[1] صاحب کشف جاگتے میں

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۸۸ میں فرماتے ہیں: اللہ تیری تائید کرے یہ جان کہ انسان کی دو حالتیں ہیں: ایک حالت نیند اور دوسری حالت بیداری، اللہ نے ان دونوں حالتوں میں اُس کے لیے ادراک رکھا ہے جن میں وہ اشیا کا ادراک کرتا ہے، بیداری میں یہ ادراک حس کہلاتا ہے، اور نیند میں یہ حس مشترک کہلاتا ہے۔ وہ جو کچھ بیداری میں دیکھتا ہے تو وہ دیکھنا کہلاتا ہے اور جو کچھ وہ نیند میں دیکھتا ہے تو وہ خواب کہلاتا ہے، انسان نیند میں

بھی وہی دیکھتا ہے جو عام بندہ نیند میں یا مردہ موت کے بعد دیکھتا ہے، جیسے آخرت میں اعمال کی صورتیں دکھائی جائیں گی[1] اور اعراض ہونے کی باوجود اِن کا وزن کیا جائے گا، موت کو ایک خوبصورت سفید و سیاہ مینڈھے کی صورت میں لاکر ذبح کیا جائے گا، موت اجتماع کے متفرق ہونے کی ایک نسبت ہے۔ پس پاک ہے وہ جو علم نہ ہونے کے باعث نہ جانا گیا، اور جب جانا گیا تو علم میں سمایا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (آل عمران: ۱۸) اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور وہ العزیز الحکیم ہے۔

جو کچھ دیکھتا ہے تو یہ وہی کچھ ہوتا ہے جسے خیال حالت بیداری میں حواس سے اخذ کرتا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو یہ وہ صورت ہوتی ہے جس کا ادراک حس میں ہوا یا اس صورت کے اجزا ہوتے ہیں۔ ... چنانچہ اصل حس اور اس کا بیداری والا ادراک ہے، اور خیال اس کے تابع ہے، بعض لوگوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ بیداری میں بھی وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو خواب میں دیکھا جاتا ہے، ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن طریقت میں نبی اور ولی کو یہ قوت حاصل ہوتی ہے۔

[1] فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۱۱ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں بیشک عالم دو ہیں جیسے حاضرات بھی دو ہیں، اگرچہ ان کے اجتماع سے ان کے مابین ایک تیسری حاضرت بھی جنم لیتی ہے۔ پہلی حاضرت: حاضرت غیب ہے، اور اس کے عالم کو عالم غیب کہتے ہیں، اس عالم کا ادراک بصیرت سے ہے۔ دوسری حاضرت: حاضرتِ حس اور شہادت ہے، اس کے عالم کو عالم شہادت کہتے ہیں، اس عالم کا ادراک بصر سے ہے۔ ان کے اجتماع سے جو حاضرت اور عالم جنم لیتا ہے وہ حاضرت خیال اور عالم خیال ہے، یہ معانی کو محسوس قوالب میں ظاہر کرتا ہے جیسے علم دودھ کی صورت میں، دین میں ثبات کڑی کی صورت میں، اسلام ستون کی صورت میں اور ایمان قبضے کی صورت میں، جبریل دحیہ کلبی اور اعرابی کی صورت میں وغیرہ وغیرہ۔

متخیل کا ادراک:

چند لوگ حسی آنکھ سے اس متخیل کا ادراک کرتے ہیں، اور چند خیال کی آنکھ سے اِسے دیکھتے ہیں، میرا مطلب ہے جاگتے میں۔ جہاں تک نیند کی بات ہے تو وہ قطعاً خیال کی آنکھ سے ہے۔ اگر انسان اپنے جاگتے احوال میں فرق کرنا چاہے، چاہے وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، تو اسے چاہیے کہ متخیل کو اپنی نظر میں قید کرے، اگر دیکھے جانے والی موجودات تکوینات کے اختلاف کے باعث مختلف دکھائی دیں، اور وہ اس کا انکار نہ کرسکے کہ یہ وہی ہیں، اور نظر اس میں تکوینات کے اختلاف کے باعث اسے قید نہ کر سکے، جیسے گرگٹ کو دیکھنے والا جب وہ رنگ بدل رہا ہو۔ تو یہ سب بلا شک و شبہ خیال کی آنکھ سے ہوتا ہے، یہ حسی آنکھ سے نہیں، تو نے خیال کا ادراک خیال کی آنکھ سے کیا، حسی آنکھ سے نہیں۔

ناری اور نوری ارواح کے کشف کے دعوے داروں میں سے بہت کم لوگ ہی یہ جانتے ہیں، جب اس کی آنکھ پر ایسی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں تو وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے کس آنکھ سے ان کا ادراک کیا: خیال کی آنکھ سے یا حسی آنکھ سے؟ یہ دونوں ادراک آنکھ سے ہی ہوتے ہیں، کہ یہی آنکھ خیال کی آنکھ اور حسی آنکھ سے ادراک کی جا ہے، یہ ایک دقیق علم ہے، یعنی دونوں آنکھوں کے درمیان فرق کا علم، یا آنکھ کی حس اور حس کی آنکھ کے درمیان کا فرق۔ اگر آنکھ نے متخیل کا ادراک کیا اور تو اُس سے غافل نہ ہوا، اور تجھے وہ مختلف صورتوں میں تبدیل ہوتا بھی دکھائی نہ دیا، اور نہ تجھے وہ ایک وقت میں مختلف جگہوں میں نظر آیا، اس کی ذات بھی ایک ہی تھی جس میں کوئی شک نہ ہوا، نہ اس نے اپنی جگہ چھوڑی اور نہ وہ مختلف موجودات میں تبدیل ہوا، تو جان جا کہ یہ محسوس ہے متخیل نہیں، اور تو نے اس کا ادراک حسی آنکھ سے کیا خیال کی آنکھ سے

نہیں۔

خواب میں رب تعالی کا دیدار:

اسی مقام پر تو انسان کا خواب میں اپنے ربّ تعالی کو دیکھنا پہچانا جاتا ہے، کہ وہ رب تو بے صورت اور بے مثل ہے، جبکہ ادراک نے اسے حاصل اور قید کیا۔ اسی مقام پر سمجھ آتا ہے جو ایک صحیح حدیث میں آیا کہ باری تعالی ایک ادنی صورت میں تبدیل ہو کر ان کے سامنے آئے گا تو وہ اُس کا انکار کریں گے اور اس سے پناہ چاہیں گے پھر وہ اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہچانتے ہوں گے۔[1] سو جان کہ تو اُسے کس آنکھ سے دیکھے گا۔ بیشک میں نے تجھے بتا دیا ہے کہ خیال کا ادراک خود اسی سے ہے، یعنی خیال کی آنکھ سے، یا اِس کا ادراک بصر سے ہے، اس بارے میں صحیح کیا ہے جس پر ہم بھروسا کر سکیں؟ اس بارے میں میرا شعر ہے:

جب میرا حبیب میرے سامنے آئے گا تو میں کس آنکھ سے اُسے دیکھوں گا، اُسی کی آنکھ سے نہ کہ اپنی آنکھ سے، کہ اُسے اس کے سوا کوئی نہیں

---

[1] یہ صحیح بخاری و مسلم کی ایک لمبی حدیث ہے، مختصرا کچھ یوں ہے کہ روز قیامت اللہ تعالی لوگوں کو جمع کرے گا، اور کہے گا: جو کوئی جس کی عبادت کرتا ہے وہ اس کے پیچھے ہو جائے، سو جو سورج کی عبادت کرتا ہو گا وہ سورج کے پیچھے ہو گا، چاند کے عبادت گزار چاند کے پیچھے ہوں گے اور طاغوت کے عبادت گزار طاغوت کے پیچھے، صرف یہ امت اور اس کے منافق باقی رہ جائیں گے، پھر اللہ ان کے سامنے آئے گا اور کہے گا: میں تمہارا رب ہوں، تو وہ کہیں گے: ہم یہیں پر کھڑے ہیں جب تک کہ ہمارا رب نہ آ جائے اور جب ہمارا رب آئے گا تو ہم اسے جان جائیں گے، پھر اللہ اس صورت میں ان کے سامنے آئے گا جسے وہ جانتے ہوں گے، اور کہے گا: میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔

دیکھتا۔

یہ اُس کے مقام کی تنزیہ اور اس کے کلام کی تصدیق ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اور کسی جہان کو متعین نہیں کیا۔ بلکہ اسے مطلق آیت اور معین محقق مسئلہ بنایا، چنانچہ اس کے سوا کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔ میں اُسے اسی کی آنکھ سے دیکھوں گا، ایک صحیح خبر میں ہے: "میں اس کی وہ آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔"[1]

سوائے خوابیدہ غفلت کی نیند سے جاگ اور متنبّہ ہو، بیشک میں نے تجھ پر معارف کا وہ دروازہ کھولا جس تک افکار نہیں پہنچ پاتے، ہاں عقول اسے قبول کرتی ہیں: اس کی ایک وجہ تو عنایت الٰہی ہے، یا پھر وہ شخص ذکر و تلاوت سے قلوب کو جلا بخشے۔[2]

---

[1] یہ صحیح بخاری کی اس حدیث کی جانب اشارہ ہے: اللہ تعالی فرماتا ہے: جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے، اور میرا بندہ میری محبوب شے یعنی میرے فرائض سے ہی میرے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اسی طرح وہ نوافل سے بھی میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی وہ سماعت ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی وہ بصارت ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کی وہ ٹانگ ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں ضرور اسے دوں گا، اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں اُسے پناہ دوں گا۔

[2] یہاں شیخ نے باطنی آنکھ کھلنے کے دو ذرائع بتائے ہیں: جس میں ایک وہبی اور دوسرا کسبی ہے۔ وہبی طور پر تو ایسا صرف اہل عنایت الٰہی سے مخصوص ہے کہ اگر اللہ چاہے تو وہ ان کی یہ باطنی آنکھ کھول دیتا ہے اور اس کے لیے انہیں کسی مجاہدے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی

پس عقل وہ قبول کرتی ہے جو تجلی اسے بتائے، اور عقل جانتی ہے کہ اگر وہ فکر سے اسے کھوجتی تو یہ اِس کی قوت سے باہر ہے، اور فکر سے کبھی اس تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ پس وہ اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہے جس نے اُسے اِس نشات پر ترتیب دیا جس سے وہ یہ سب قبول کرتا ہے، یہ رسولوں، انبیا اور اولیا میں سے اہل عنایت کی نشات ہے۔ تاکہ وہ یہ جانے کہ اِس کا قبول کرنا اِس کی فکر سے بہتر ہے۔[1] سو اے بھائی! اِس کے بعد اب یہ حقیقت جان کہ اِس باب کے پیچھے سے کون تیرے سامنے جلوہ گر ہوا، یہ ایک عظیم مسئلہ ہے جس میں عقلیں حیران و پریشان ہیں۔

صور اور ناقور:

پھر شارع نے -اور وہ سچا ہے- حاضرتِ برزخی والے اِس باب کو۔ جس میں ہم موت کے بعد جاتے ہیں، اور جس میں ہم اپنے نفوس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ صُور اور ناقور کا نام دیا۔ صُور صورت کی جمع ہے، پس جب صور میں پھونکا جائے گا اور (ناقور یعنی) بگل بجائے جائے گا، یہ تو ایک ہی چیز ہے، اس کے اسما کا اختلاف تو اس کے احوال اور صفات کے اختلاف سے ہے، چونکہ صفات مختلف ہیں اسی لیے اسما بھی مختلف ہیں، تو اُس کے اسما "ھو" (یعنی ذات) جیسے ہو گئے اور ان میں وہ حیران و پریشان ہوا جو

لیکن کسبی ذرائع میں ذکر اور تلاوت قرآن سے قلب کو جلا بخشنا ہے تاکہ جب اس قلب کا آئینہ صاف شفاف ہو جائے تو جو مخلوقات اس کے سامنے آئیں ان کا عکس اس میں منعکس ہو اور یوں عارف قلب کی طرف نظر کرنے سے غیب تک رسائی پائے، وہ غیب جو عام لوگوں کے ادراک سے ماورا ہے۔

[1] اگر عقل خبر قبول کرے تو یہ اس کا فکر قبول کرنے سے اعلی درجہ ہے، اور یہ رسولوں، انبیا اور اولیا میں سے اہل عنایت کا حال ہوتا ہے۔

عادتاً حقائق میں تدبر و تامل سے کام لیتا ہے اور انہیں ایسے ہی نہیں چھوڑ دیتا۔ وہ یہ نہیں جان پاتا کہ اسم "الناقور" کے وجود میں اصل نقر ہے، یا اسم نقر کے وجود میں اصل "الناقور" ہے؟[1] جیسے نحوی کا یہ مسئلہ: کیا فعل مصدر سے مشتق ہے یا مصدر فعل سے مشتق ہے۔ پھر (محقق صوفی) نحوی سے اس مسئلے میں ایک اور چیز کی وجہ سے جدا ہے، حتی کہ وہ اشتقاق میں نحوی کے مسئلے کے مشابہ نہیں، وہ کہتا ہے: ﴿نُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ (الکھف: ۹۹) صور میں پھونکا گیا۔ یہ نہیں کہا کہ "منفوخ فیہ" میں پھونکا گیا۔ پس کیا اِس کا صور ہونا وجود نفخ کی اصل ہے؟ یا وجود نفخ اصل ہے، یا کیا اسم الصور کے وجود میں نفخ اصل ہے؟

جب اللہ نے انسانی صورت کی تبدیلی کا ذکر کیا تو کہا: ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ﴾ (الحجر: ۲۹) اور میں نے اس میں پھونکا۔ جبکہ عیسی عَلَيْهِ السَّلَام کی صورت تخلیق کرنے سے پہلے کہا: ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾ (الانبیا: ۹۱) اور ہم نے اُس میں اپنی روح پھونکی، چنانچہ صورت ظاہر ہوئی، تو حیرت ہوئی کہ اصل کیا ہے؟ کیا پھونک کے وجود میں صورت اصل ہے، یا صورت کے وجود میں پھونک اصل ہے؟ یہ اسی طرح کا مسئلہ ہے، خاص طور پر جبرائیل عَلَيْهِ السَّلَام اس مذکورہ وقت میں جب وہ بشری صورت میں ظاہر ہوئے، اور مریم نے خیال کیا کہ بشر ہیں، تو کیا آپ نے حسی آنکھ سے انہیں دیکھا یا پھر خیال کی آنکھ سے؟ کہ آپ بھی ان میں ہوتیں جنہوں نے خیال کا ادراک خیال سے کیا۔ اگر بات یہی ہے تو تجھ پر وہ کچھ کھلتا ہے جو اس سے بڑھ کر ہے، وہ یہ کہ کیا خیال میں یہ قوت ہے کہ وہ حسی حقیقی صورت بنا سکے، اور (ایسی صورت میں) حس کی خیال پر کوئی فضیلت باقی نہ رہے، کیونکہ حس خیال کو صورتیں بخشتی ہے، پس تاثیر اخذ کرنے والا

---

[1] یہ ویسے ہی ہے جیسے کہ یہ سوال کہ پہلے انڈہ ہے یا مرغی۔

اثر انداز کیسے ہو سکتا ہے خاص طور پر اس میں جو خود اس میں موثر ہو۔ یہ اس میں کیسے اثر کر سکتا ہے جو خود اس پر اثر کرتا ہے۔ یہ عقلا محال ہے۔ ان کنوز کو سمجھ۔ اگر تو یہ سمجھ گیا تو عالم میں تجھ سے زیادہ غنی کوئی نہ ہو گا، ہاں جو اس بارے میں تیرے برابر ہو۔[1]

صور کیا ہے؟

یہ جان جب رسول اللہ ﷺ سے صور کے بارے میں پوچھا گیا؛ کہ وہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نور کا وہ سینگھ ہے جس میں اسرافیل پھونکیں گے۔ پس آپ نے بتایا کہ اس کی شکل سینگھ کی سی ہے، اِس میں وسعت بھی ہے اور تنگی بھی، کیونکہ سینگھ تنگ بھی ہوتا ہے اور کھلا بھی۔ ہمارے نزدیک یہ اس کے برخلاف ہے جیسا اہل فکر اسے گمان کرتے ہیں، فرق اس سینگھ کے اوپر اور نیچے والے حصے میں

---

[1] اس پیراگراف میں شیخ اکبر نے عالم خیال کے حوالے سے متعدّد سوالات اٹھائے ہیں، مثلا ایک سوال کہ وجودِ نفخ میں اصل کیا ہے؟ کیا پہلے صورت ضروری ہے جس میں پھونکا جائے جیسا کہ جسم آدم کے حوالے سے قرآن میں آیا یا پھر نفخ سے ہی صورت کو تخلیق کیا جاتا ہے جیسا جسم عیسی کے حوالے سے بتایا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا خیال حس کے تحت ہے یا خیال حس پر موثر ہے؟ کیا خیال حقیقی حسی صورت تخلیق کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے سے تو یہ حس سے بے نیاز ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ مواد حس سے ہی حاصل کرتا ہے۔ یہ اور اِس جیسے متعدّد سوالات جو اِس معاملے کی گہرائی کا بتاتے ہیں۔ شیخ نے ان سوالات کے جواب یہاں تو نہیں دیئے، اور یہی کہا ہے کہ جو کوئی ان سوالات کے جواب جان لیتا ہے تو عالم میں اس سے بڑھ کر کوئی عالِم نہیں رہتا۔

ہے، ہم اس کا ذکر اس باب میں آگے کریں گے۔

جان لے کہ یہ سینگھ اپنی وسعت میں اس قدر وسیع ہے کہ کائنات کی کوئی شے اس سے وسیع نہیں، وہ اس لیے کہ یہ ہر شے- اور جو شے نہیں اس- پر اپنی حقیقت سے حکم لگاتا ہے، یہ عدم محض، محال، واجب اور ممکن کا تصور کرتا ہے، یہ وجود کو عدم اور عدم کو وجود بناتا ہے، اسی بارے میں نبی ﷺ کا فرمانا ہے، یعنی اسی حاضرت سے: "اللہ کی ویسے عبادت کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔" اور "اللہ نمازی کے قبلے میں ہوتا ہے" یعنی قبلے میں اسے خیال کر، تو اُس کی طرف منہ کرتا ہے، تاکہ تو اسے دیکھے اور اس سے حیا کرے، اپنی نماز میں اس کا ادب کرے، کہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو بے ادبی کی۔

اگر شارع کو یہ علم نہ ہوتا کہ تجھ میں ایک ایسی حقیقت ہے جسے خیال کہتے ہیں، اور اسی حقیقت کے لیے یہ حکم ہے تو وہ تجھے کبھی یہ نہ کہتا: "گویا کہ تو اسے اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے" بیشک دلیلِ عقلی "گویا کہ" کہنے سے روکتی ہے کیونکہ وہ اپنی دلیل سے تشبیہ کو محال جانتی ہے، آنکھ نے تو دیوار کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ سو ہمیں پتا چلا کہ شارع تجھ سے مخاطب ہے، تو یہ خیال کر کہ اپنے قبلے میں تو نے حق کی طرف منہ کیا، کہ اُس طرف منہ کرنے کا تجھے شرعاً حکم ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ﴾ (البقرۃ: ۱۱۵) تم جہاں بھی منہ موڑو "وَجۡہُ اللہ" وہیں ہے۔ وَجۡہ سے مراد کسی شے کی حقیقت اور ذات ہوتی ہے، پس خیال نے اُسے بھی صورت دے دی کہ عقلی دلیل جس کی صورت اور تصور کو محال سمجھتی ہے، اسی لیے یہ (خیال) وسیع ہے۔

خیال کی تنگی:

جہاں تک خیال کی تنگی کی بات ہے، تو خیال میں یہ وسعت نہیں کہ وہ حسی اور

معنوی امور، نسبتوں اور اضافتوں، اللہ کے جلال اور اس کی ذات کو صورت کے بغیر قبول کر سکے۔ اگر (خیال) صورت کے سوا کسی حقیقت کے ادراک کی تمنا کرے تو اسے یہ حقیقت نہیں دی جاتی، کیونکہ یہ عین وہم ہے، اس کے سوا نہیں۔ اس مقام پر اس میں تنگی ہے انتہا درجے کی تنگی، کہ یہ اصلاً معانی کو مواد سے الگ نہیں کر پاتا۔ اِسی لیے حس اس سے قریب ترین شے ہے، کہ یہ حس سے صورت اخذ کرتا ہے، اور حسی صورت میں معانی کو ظاہر کرتا ہے، یہ اس کی تنگی ہے۔ یہ اس لیے تاکہ عدم تقیید، وجود کے اطلاق اور فَعّال لِمَا یُرِید سے صرف اللہ تعالیٰ ہی متّصف رہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اور اُس کے مثل کوئی شے نہیں۔

اگرچہ خیال وسیع ترین معلومات میں سے ہے، اور اس عظیم وسعت کے ساتھ کہ جس سے یہ ہر شے پر حکم لگاتا ہے، یہ اس قدر عاجز ہے کہ مواد سے مجرد معانی کو ویسے قبول نہیں کرتا جیسے یہ معانی اپنی ذوات میں ہیں۔ یہ علم کو دودھ، شہد، شراب اور موتی کی شکل میں دیکھتا ہے، اسلام کو گنبد اور ستون کی شکل میں، قرآن کو گھی یا شہد کی صورت میں، دین کو بیڑی کی صورت میں، حق کو انسان یا نور کی صورت میں۔ پس یہ وسیع بھی ہے اور تنگ بھی، جبکہ اللہ تعالیٰ مطلقاً واسع ہے،[1] وہ جانتا ہے کہ اس نے مخلوق

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب ۸۶ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خود سے نیند کی نفی کی فرمایا: ﴿لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵) نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ کہ برازخ کا شہود اسے عالم حس سے محجوب نہیں رکھتا، اور عالم حس اسے اُن معانی کے ادراک سے محجوب نہیں رکھتا جو اپنی عدم والی حالت میں مادے سے باہر ہیں۔ اور اللہ اپنے چند بندوں کو بھی یہی ادراک عطا فرماتا ہے، البتہ وہ شخص اس دنیاوی نشات میں نیند اور اونگھ سے بے نیاز

کو کس حقیقت پر بنایا، جیسا کہ اس متعال کا فرمان ہے: ﴿اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (طٰہٰ: ۵۰) اُس نے ہر شے کو اس کی تخلیق بخشی پھر ہدایت دی، یعنی اسے اس کی تخلیق دینے کے بعد اس پر واضح کیا کہ وہ کن امور پر مشتمل ہے۔

نور کا قرن:

جہاں تک اس سینگھ کا نور سے ہونا ہے، تو نور سبب کشف و ظہور ہے۔ کہ اگر نور نہ ہوتا تو آنکھ کوئی شے نہ دیکھ پاتی۔ پس اللہ نے اس خیال کو بھی نور بنایا جس سے ہر شے کی صورت کا ادراک ہوتا ہے، چاہے وہ کچھ بھی ہو، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اِس کا نور عدم محض میں سرایت کر کے اسے وجودی صورت بخشتا ہے۔ پس خیال نور سے موصوف تمام مخلوقات سے بڑھ کر اسم النور کا حق دار ہے، کہ اِس کا نور دیگر انوار کے مشابہ نہیں، اور اسی سے تجلیات کا ادراک ہوتا ہے، یہ خیال کی آنکھ کا نور ہے، حسی آنکھ کا نور نہیں، یہ سمجھ۔ [1] کیونکہ تجھے یہ معرفت فائدہ دیتی ہے کہ (خیال) نور ہے، اور تو

نہیں ہوتا۔ جہاں تک آخرت کی بات ہے تو اہل جنت کو جنت میں نیند نہیں آئے گی، اور نہ ہی عالم میں سے کچھ ان سے غیب ہو گا، بلکہ یہ سارا عالم ان کی نظر میں ہو گا۔

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۴۱ میں ایک مثال سے یہ سب کچھ اس طرح سمجھایا ہے: کیا تو نے صاحب کشف کو دیکھا ہے، جب رات کی تاریکی چھا جائے، وہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، اور اس اندھیرے میں اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی ہو، تو وہ دونوں کشف نہ ہونے کے باعث تو برابر ہوتے ہیں کہ اشیا کو نہیں دیکھ پاتے، لیکن اگر ان میں سے کوئی صاحب کشف ہو؛ اور اس پر نور کی تجلی ہو، تو یہ نور نظر کے نور سے ملتا ہے، اور وہ اس تاریک گھر میں وہ کچھ دیکھتا ہے جو اللہ اسے دکھانا چاہتا ہے، سب کچھ یا چند چیزیں، یہ انہیں ویسے ہی دیکھتا ہے جیسے دن میں یا چراغ کی روشنی میں دیکھتا ہے، جبکہ اس کا

اس میں درستگی پاتا ہے، اور جو یہ معرفت نہیں رکھتا وہ کہتا ہے کہ یہ خیال فاسد ہے۔ کیونکہ یہ قائل اللہ تعالی کے عطا کردہ خیالی نور کے ادراک کی معرفت نہیں پاتا۔ جیسا کہ یہ قائل حس کے بعض ادراکات میں اسے غلط کہتا ہے، حالانکہ اس کا ادراک صحیح ہوتا ہے، لیکن حکم کسی اور (یعنی عقل) کا ہوتا ہے حس کا نہیں۔ پس حکم لگانے والے نے غلطی کھائی حس نے نہیں۔[1] اسی طرح خیال نے بھی بس اپنے نور سے ادراک کیا، اس کا دوست تو صرف تاریکی دیکھتا ہے، اسے اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ اس نور نے اس پر تجلی نہیں کی، کہ یہ اس کی نظر کے نور سے ملتا اور تاریکی کے حجاب کو دور کرتا۔

اگر یہ معاملہ ایسے نہ ہوتا جیسے ہم نے ذکر کیا، تو صاحب کشف بھی اس دوسرے شخص کی طرح کچھ نہ دیکھ پاتا، یا یہ دوسرا شخص بھی اس کی طرح چیزیں دیکھتا، پھر یا تو وہ اِس کی طرح اہل کشف ہوتا، یا پھر علم کے نور سے دیکھتا۔ صاحبِ کشف تو خیال کے نور سے دیکھتا ہے، جیسے کوئی خواب میں کچھ دیکھے جبکہ اس کا ساتھی تو جاگ رہا ہے لہذا وہ کچھ نہیں دیکھتا۔ صاحب کشف اسی طرح ہوتا ہے۔ اگر تو صاحب کشف سے پوچھے: کیا تو حالتِ کشف میں تاریکی دیکھتا ہے؟ تو وہ کہے گا: نہیں، بلکہ ہر چیز روشن کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ مجھے لگتا ہے سورج غروب ہی نہیں ہوا، اور میں چیزوں کو ویسے دیکھتا ہوں جیسے میں دن میں دیکھا کرتا ہوں۔

[1] شیخ اکبر نے ایک مثال سے یہ بات فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۴ میں اس طرح سے سمجھائی ہے: ہم نے کہا: ایک جماعت نے حواس کے ادراک میں غلطی کھائی، کہ غلطی کو حواس سے منسوب کیا، وہ اس طرح کہ جب انہوں نے ساحل کنارے ایک چلتی کشتی سے ساحل کو دیکھا تو انہیں یہ ساحل بھی کشتی کے چلنے سے چلتا دکھائی دیا، پس آنکھ نے وہ کچھ دکھایا جو نہ حقیقت ہے اور نہ کبھی ایسا ہوا، وہ اس بات کا قطعی علم رکھتے تھے کہ ساحل تو اپنی جگہ سے نہیں چلا، اور جو دیکھا اُس کا انکار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح جب انہوں نے شہد یا

حکم نہیں ہوتا، حکم تو اِس کے غیر یعنی عقل کا ہوتا ہے۔ لہذا خطا کی نسبت بھی (خیال) کی جانب نہیں، یہاں کوئی فاسد خیال نہیں، یہ تو سارا ہی صحیح ہے۔

ہمارے ساتھی اس قرن (سینگھ) میں غلطی کا شکار ہیں۔ اکثر اہل عقل نے اسے مرکز (یعنی نیچے) سے تنگ اور فلک اعلی (یعنی انتہائی اوپر) سے کھلا قرار دیا، اور یہ بتایا کہ اس میں موجود صورتیں عالم کی صورتیں ہیں، چنانچہ انہوں نے عالم میں اِس قرن (سینگھ) کا اوپر والا حصہ کھلا جبکہ نیچے والا حصہ تنگ قرار دیا۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ انہوں نے گمان کیا۔ اگرچہ خیال ویسا ہے جیسا کہ ہم نے بتایا؛ کہ یہ حق سے لے کر عالم کی ادنی ترین مخلوق حتی کہ عدم کو بھی صورت دیتا ہے، تو اِس کا اوپر والا حصہ تنگ اور نیچے والا حصہ کھُلا ہے۔ اللہ نے اِسے ایسا ہی تخلیق کیا۔ کہ پہلے اِس میں تنگی تخلیق کی، اور آخر میں اس کی وسعت بنائی، اور یہ وسعت ہی جانور کے سر سے جڑتی ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ افعال اور اکوان کی حاضرت وسیع تر ہے، اِسی لیے

شکر کو چکھا اور اسے کڑوا پایا، حالانکہ یہ تو میٹھی ہوتی ہے تو یہ نتیجہ اخذ کیا کہ چکھنے کی حس نے غلطی کھائی اور غلط بات بتائی۔

ہمارے نزدیک یہ بات ایسے نہیں، یہ غلطی کوتاہی تو حکم لگانے والے کی ہے؛ اور یہ عقل ہے نہ کہ حواس۔ بیشک حواس کا ادراک وہی ہے جو ان کی حقیقت کے مطابق بدیہی ہے، اسی طرح عقل جب بدیہی ادراک کرتی ہے تو غلطی نہیں کھاتی، لیکن جب یہ حواس اور فکر سے ادراک کرتی ہے تو غلطی کھاتی ہے، جِس نے اپنے بدیہی ادراک میں کبھی غلطی نہیں کھائی۔

عارف کی وسعت علم میں نہیں ہوتی، سوائے وہ عالم میں سے جتنا جانے۔[1] پھر اگر وہ احدیت الٰہیہ کے علم کی طرف گامزن ہو جائے، تو وہ ہمیشہ آہستہ آہستہ وسعت سے تنگی کی جانب بلند ہوتا جاتا ہے، سو جتنا وہ کشف سے ذاتِ حق کے علم میں ترقی کرتا ہے اِسی قدر عالم کے علوم میں کمی پاتا ہے، یہاں تک کہ اُس کا معلوم صرف حق تعالیٰ ہی رہ جاتا

[1] یہاں چند جہلا کے اس گمان کی طرف اشارہ ہے کہ عارف ہر علم میں صاحب کمال ہوتا ہے۔ شیخ کے بقول ایسا نہیں، چونکہ افعال اور اکوان یعنی موجودات کی حاضرت یعنی ڈومین وسیع ہے اور یہ اتنی وسیع ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی ایک اس کا احاطہ نہیں کر سکتا، اور نہ ہی حق تعالیٰ اسے اس پر اس طرح سے مطلع کرتا ہے جیسا کہ وہ خود ان پر مطلع ہے۔ لہٰذا عارف جب افعال اور اکوان سے ترقی پاتا ہے تو احدیت الٰہیہ کی جانب جاتا ہے اس کی تمام تر توجہ مخلوقات سے ہٹ کر خالق کی جانب ہوتی ہے۔ وہ مخلوقات سے تجاہل برتتا اور خالق پر دھیان دیتا ہے۔ اسی لیے شیخ نے فرمایا کہ وہ جس قدر کشف سے علم باللہ میں ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر عالم کے علوم میں کمی ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کا معلوم صرف حق تعالیٰ ہی رہ جاتا ہے۔ جو اس کا سب سے اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

کچھ حضرات یہ سوچتے ہیں کہ عارف اور صوفی اپنے دور کے ہر کسبی علم کا ماہر ہوتا ہے بلکہ وہ ان علوم کو ان کے وضع کرنے والوں سے بڑھ کر جانتا ہے۔ اگر وہ صاحب کشف ہے تو ان علوم میں حق کا رخ جاننے میں تو صاحبِ کمال ہوتا ہے لیکن ان کی جزویات میں اپنا وقت برباد نہیں کرتا، کیونکہ وقت کم اور مقابلہ سخت ہے۔ لہٰذا عارف اپنے پیشے کے بغیر ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان یا فلسفی نہیں ہوتا۔ اس کی تمام تر توجہ علوم باللہ کے اخذ کرنے میں ہوتی ہے، کہ علم کا شرف اس کے معلوم کے شرف سے مربوط ہے۔ جس قدر معلوم اعلیٰ اور اشرف ہو گا اُسی قدر وہ علم بھی اعلیٰ اور اشرف ہو گا۔ علوم کے ان مراتب میں محقق اور عارف کی توجہ جن علوم کے حصول پر ہوتی ہے وہ علوم باللہ ہی ہیں۔

ہے، یہ اِس سینگھ کا سب سے تنگ حصہ ہے۔ سو اِس کا اوپر والا حصہ تنگ ہے، اور اِسی میں کامل شرف ہے۔ جب اللہ نے اسے جانور کے سر میں بنایا تو سب سے پہلے یہی تنگی ظاہر ہوئی، یہ تنگی اوپر کو اٹھتی جاتی ہے اور اس کا نچلا حصہ کھلتا جاتا ہے، یہ اپنی حالت نہیں بدلتا، اور یہی سب سے پہلے تخلیق ہوا۔

کیا تو نے غور نہیں کیا، حق سبحانہ نے سب سے پہلے قلم تخلیق کیا، یا عقل کہہ لے، جیسا کہ اُس نے فرمایا۔ سو ایک شے کو تخلیق کیا، پھر اِس ایک سے مخلوقات بنائیں، تو عالم میں وسعت آئی۔ عدد بھی اسی طرح ہے: اِس کی ابتدا واحد سے ہے، پھر اس کے بعد وہ ہے جو دو قبول کرتا ہے، یہ واحد وجود سے نہیں۔ پھر یہ (عدد) مراتب میں تضعیف اور ترکیب قبول کرتا ہے تو غیر متناہی حد تک پھیل جاتا ہے، پھر جب تو اس وسعت کی انتہا تک جاتا ہے یعنی ہزاروں یا اس سے آگے تک، اور جب اِس واحد کو کھوجتا ہے جس سے عدد کا ظہور ہوا، تو اس حوالے سے عدد کم کرتا جاتا ہے، اور یہ وسعت بھی کھو دیتا ہے کہ جس میں تو تھا، یہاں تک کہ تو دو تک جا پہنچتا ہے، کہ جس کے وجود سے عدد کا ظہور ہوا، کہ واحد ان کا اول ہے۔ پس واحد اشیا میں سب سے تنگ ہے، اور واحد اپنی ذات میں اور خود میں عدد نہیں، بلکہ یہ دو، تین اور چار کی حیثیت میں عدد ہے، اِس کے نام اور اِس کی ذات کو کبھی جمع نہیں کیا جاتا، یہ جان۔

خواب و خیال کیا ہے؟

لوگوں نے قرن (یعنی سینگھ) کی اِس صورت کو ہماری بات کے برخلاف بیان کیا ہے۔ اور ہم نے جو بیان کیا اس کے بعد یہ جان کہ اللہ سبحانہ نے (موت کے وقت) جب ان طبیعی عنصری اجسام سے ارواح کو قبض کیا، تو اِس نوری قرن میں انہیں جسدی صورتیں عطا کیں۔ پس انسان موت کے بعد برزخ کے جن معاملات کا بھی

ادراک کرتا ہے، تو یہ اُسی صورت اور نور سے ایسا کرتا ہے جس میں وہ اِس قرن میں ہوتا ہے۔ یہ حقیقی ادراک ہے۔ وہاں ایسی صورتیں بھی ہیں جنہیں تصرف سے روک دیا گیا، اور ایسی بھی ہیں جنہیں آزاد کیا گیا، جیسے تمام انبیا کی ارواح، اور شہدا کی ارواح۔[1] ان

---

[1] اس مقام پر شیخ نے دو تین باتیں بالکل واضح کر دی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان موت کے بعد جس عالم میں جاتا ہے وہ عالم برزخ کہلاتا ہے، اور یہ بعینہ وہی عالم ہے جس میں انسان اپنی نیند میں بھی جاتا ہے، یعنی جب وہ کوئی خواب دیکھتا ہے۔ دوسرا امر نے کے بعد جو لوگ وہاں جاتے ہیں وہ اپنے کسب سے مرہون اور اپنے اعمال کی صورتوں میں محبوس ہیں، یعنی اپنے اپنے درجات میں قید ہیں۔ کچھ قید ہیں اور کچھ آزاد ہیں۔ شیخ نے انبیا اور شہدا کی ارواح کو آزاد قرار دیا، اولیا کی ارواح بھی انہی میں شامل ہیں۔ پھر کچھ ارواح ایسی ہیں کہ ان کی نظر عالم برزخ میں رہتے ہوئے بھی عالم دنیا پر ہوتی ہے، وہ دنیا والوں سے رابطہ بھی کرتی ہیں اور ان کی رہنمائی بھی کرتی ہیں۔ شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کی روح بھی انہی ارواح میں شامل ہے۔ آپ کی روحِ انور آج بھی ان لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے، اِس کے مدارج ہیں۔ آج بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کشف میں شیخ اکبر سے رابطے میں ہیں اور ان کی باطنی رہنمائی میں شیخ کا بڑا کردار ہے۔ اس حوالے سے آپ کا ایک خواب نہایت اہم ہے جو شیخ صدر الدین قونوی نے آپ کی کتاب المبشرات کے بعد اپنے ہاتھ سے لکھے مخطوط میں درج کیا ہے، فرماتے ہیں: شیخ اکبر نے بدھ کی رات ۹ جمادی الاول سن ۶۲۹ ہجری کو حق سبحانہ و تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو آپ سے کہا گیا کہ اللہ تجھ سے ایک ہزار روحوں کو نجات دے گا، تیرے ایک ہزار روحانی الٰہی بیٹے ہوں گے۔ اور اللہ تجھ سے کثیر تعداد میں مخلوق کو سعادت مند بنائے گا۔

اِس خواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت دی تھی کہ آپ کے ۱۰۰۰ روحانی بیٹے ہوں گے۔ یعنی آپ مختلف ادوار میں ۱۰۰۰ روحانی ہستیوں کو اپنا فیض پہنچائیں گے اور وہ آپ کا

میں کچھ ایسی بھی ہیں کہ ان کی نظر عالم دنیا یعنی اسی جہان میں ہوتی ہے۔ کچھ حاضرت خیال میں کسی خوابیدہ کے خواب میں آتی ہیں، اور اس کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔ ہر خواب ہی سچ ہوتا ہے، غلط نہیں ہوتا۔ اگر خواب غلط ہوا تو خواب غلط نہ ہوا، بلکہ جس نے اس کی تعبیر کی اُس سے تعبیر میں غلطی ہوئی، کہ وہ اس صورت سے مراد نہ جان پایا۔[1] کیا تو نے غور نہیں کیا جب ابو بکر نے کسی شخص کے خواب کی تعبیر کی تو آپ ﷺ نے کیا کہا: آپ نے کچھ درست بتایا اور کچھ درست نہ بتایا۔

اس شخص کے بارے میں یہی کہا جس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی گردن کاٹی گئی اور اس کا سر نیچے گرا اور لڑھکتا گیا اور وہ اس سے بات بھی کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: "شیطان اِس سے کھیل رہا ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیکھی صورت کو جان لیا، آپ نے تو اُسے یہ نہیں کہا: تیرا خیال فاسد ہے۔ کیونکہ اُس نے حق دیکھا، لیکن تاویل میں غلطی کھائی۔ پس آپ ﷺ نے اسے اس حقیقت کا بتایا جو اس نے دیکھی۔[2] اِسی طرح قوم فرعون کو صبح و شام انہی صورتوں میں آگ

نام اپنے اپنے ادوار میں دوبارہ زندہ کریں گے اور آپ کے علوم کی گھتیاں سلجھائیں گے حق اور باطل کو واضح کریں گے۔

[1] یہاں بھی وہی مراد ہے کہ عالم خیال نے خواب دیکھنے والے کے لیے جن جن معانی کو متجسّد کیا وہ معانی اپنے اندر حقائق رکھتے ہیں۔ اب اگر کوئی تعبیر کا عالم ان معانی تک رسائی نہیں رکھتا تو وہ اِن کی درست تعبیر بھی نہیں کر سکتا۔ درست تعبیر کے لیے ان معانی کے حقائق تک رسائی ضروری ہے اور ایسا وہی کر سکتا ہے جو خود صاحب تحقیق ہو۔

[2] خواب کی اہمیت کے حوالے سے شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۸۹ میں لکھتے ہیں: اسی لیے رسول اللہ ﷺ جب صبح اپنے اصحاب کے ساتھ ہوتے تو ان سے پوچھتے: "کیا آج تم

کے سامنے لایا جاتا ہے، لیکن یہ اس میں داخل نہیں ہوتے، کیونکہ وہ اِس قرن اور اس صورت میں قید ہیں، روز قیامت وہ سخت ترین عذاب کا مزہ چکھیں گے، جو کہ محسوس عذاب ہو گا نہ کہ متخیل؛ کہ متخیل کا سامنا انہیں ان کی موت کے بعد عرض کی صورت میں تھا۔[1]

خیال کی آنکھ سے ادراک:

چنانچہ خیال کی آنکھ سے ہی خیالی اور محسوس دونوں صورتوں کا ادراک کیا جاتا ہے۔ پس متخیل یعنی انسان، اپنے خیال کی آنکھ سے کبھی اُس کا ادراک کرتا ہے جو متخیل ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا کہنا: "اس دیوار کی چوڑائی میں میرے سامنے جنت لائی گئی" اور آپ نے اپنی حسی آنکھ سے اس کا ادراک کیا۔ ہم نے اسے حسی آنکھ سے اس

میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟" کیونکہ یہ نبوت کا جزو ہے، اور آپ کو اپنی امت میں اِس کا مشاہدہ پسند تھا۔ آج اس دور میں لوگ اس مرتبے سے انتہائی لاعلم ہیں؛ وہ مرتبہ کہ رسول اللہ ﷺ جس کا دھیان رکھتے اور جس کے بارے میں روز صبح سوال کرتے۔ آج کے دور کے جہلا جب یہ سنتے ہیں کہ خواب میں کسی چیز کا حکم دیا گیا ہے؛ تو اس پر دھیان ہی نہیں دیتے، کہتے ہیں: اب کیا خوابوں سے فیصلے کیے جائیں گے! یہ خیال ہی تو ہے اور کیا ہے؛ یہ تو صرف ایک خواب ہے۔

[1] اس مقام پر شیخ اکبر نے واضح کیا ہے کہ موت کے بعد ہم جس عالم میں جاتے ہیں وہ عالم برزخ یعنی عالم خیال ہے، یہ محسوس نہیں بلکہ نیند کے مشابہ متخیل ہے۔ اِس عالم میں انسان کو ایک خیالی نشات دی جاتی ہے، لیکن نہ یہ عالم محسوس ہے اور نہ اس کی نشات محسوس ہے۔ جہاں تک عذاب کی بات ہے تو اس میں وہ عذاب کو ایسے محسوس کرے گا جیسے کوئی خواب میں کچھ دیکھ رہا ہو، اصل محسوس عذاب تو دارِ آخرت میں حسی نشات میں ہی ہو گا۔

لیے کہا، کیونکہ جب آپ نے جنت دیکھی تو اس کا پھل توڑنے کے لیے آگے بڑھے، اور جب دوزخ دیکھی تو پیچھے ہٹے، اُس وقت آپ نماز میں تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو وہ قوت حاصل تھی کہ اگر آپ اس کا ادراک اپنی خیال کی آنکھ سے کرتے نہ کہ حسی آنکھ سے، تو آپ کا جسم آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے والی حرکت نہ کرتا، کہ ہم بھی ایسا دیکھتے ہیں، جبکہ نہ ہم میں آپ والی قوت ہے اور نہ آپ کے طبقے میں ہیں۔

برزخ میں ہر انسان اپنے کسب سے مرہون اور اپنے اعمال کی صورتوں میں محبوس ہے، یہاں تک کہ روز قیامت ان صورتوں سے اسے نشات آخرت میں اٹھایا جائے گا۔ اللہ ہی حق بات کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

باب نمبر چونسٹھ
قیامت کی معرفت، اس کی منازل، اور دوبارہ اُٹھائے جانے کی کیفیت

[اشعار]

معارج کا روز پچاس ہزار سال کے برابر ہے، یہ ہر خوابیدہ سے نیند اور اونگھ دور بھگا دے گا۔ اس روز زمین اُس کے خوف سے سب کو اکٹھا کرے گی جو نہ غافل ہوتا ہے اور نہ سوتا ہے۔ پس اجنبی بن کر رہ، اور خوارج کی طرف جھکاؤ مت رکھ جو زبانی کلامی بات کرتے ہیں۔ اگر تو کسی فسادی کو فساد پھیلاتا دیکھ تو اس کا ہاتھ تھام لے کہ تجھے اِس کا اچھا بدلہ ملے گا۔ اور اُس روز اُس شخص (یعنی دجال) سے بھاگ کر کسی غار میں پناہ لے جو روز ایک سال کے برابر ہو گا۔ وہ جس نے اپنے قدم معصیت میں بڑھائے، اور اپنی خواہش میں بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

قیامت کو قیامت کیوں کہتے ہیں؟

یہ جان کہ اِس روز کا نام اِسی لیے روز قیامت رکھا گیا کیونکہ لوگ اُس روز اپنی قبروں سے نکل کر نشاتِ آخرت میں۔ جس کا ہم نے پچھلے باب میں برزخ کے حوالے سے ذکر کیا۔ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ اور اس لیے بھی کہ جب حق اپنے صف در صف فرشتوں کے ہمراہ فیصلہ سنانے کے لیے آئے گا تو وہ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

(المطففین: ۶) جس روز لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے؛ یعنی اِس لیے کھڑے ہوں گے کہ رب العالمین آئے۔ یہاں اسم الرب لایا گیا کیونکہ الرّبّ مالک ہے؛ اس کی ایک صفت قہر ہے تو دوسری صفت رحمت ہے۔ یہاں اسم الرحمن نہیں لایا گیا کیونکہ اس روز غضب ناک ہونا لازم ہے، جیسا کہ اس باب میں آگے آئے گا۔ اسی طرح حساب کتاب، جہنم اور میزان کا لایا جانا بھی لازم ہے۔ یہ سب احوال بھی رحمت مطلقہ کی صفات نہیں جن کا اسم الرحمن طالب ہے۔ البتہ اللہ سبحانہ نے وہ اسم ذکر کیا جس میں رحمت کا ہی غلبہ ہے، یعنی اسم الرب؛ کیونکہ یہ اصلاح اور تربیت سے ہے، کہ مالک اور آقا میں رحمت کی صفت قہر کی صفت سے زیادہ قوی ہوتی ہے، اس کی رحمت اس کے غضب سے بڑھ جاتی ہے، اور وہ اکثر لوگوں کے گناہوں سے در گزر کرتا ہے۔[1]

قیامت کے احوال:

سب سے پہلے تو میں وہ بیان کرتا ہوں جو اللہ نے اس روز کے بارے میں بتایا، کہ زمین پھیلا دی جائے گی اور آسمان لپیٹ لیا جائے گا، اور وہ زمین پر جا گرے گا، پھر فرشتے آئیں گے اور اس روز رب آئے گا، اور جب زمین پھیلائی جائے گی اُس کی صورت

[1] اس پیراگراف میں شیخ نے یہ بتایا کہ قرآن میں اسم الرب کا فرشتوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے نہ کہ اسم الرحمن کا، ان دونوں اسما میں فرق ہے۔ ایک مطلق رحمت ہے تو دوسرا (یعنی اسم الرب) رحمت اور عذاب، جزا اور سزا دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ اسم الرب کی ایک صفت رحمت ہے تو دوسری صفت غضب چنانچہ اسم الرب روز قیامت غضب ناک بھی ہو گا اور اپنے بندوں پر رحم بھی کرے گا۔ چونکہ اسم الرب میں رحمت غضب سے زیادہ ہے اسی لیے وہ اسی صفت سے جلوہ گر ہو گا۔

تبدیل ہو گی تو مخلوق کہاں ہو گی، اور جہنم لائی جائے گی اور اس کے معاملات ہوں گے۔ اس کے بعد میں قیامت کے مواقف کی حدیث یعنی حدیثِ شفاعت بیان کروں گا جو پچاس ہزار سال کا عرصہ بنتا ہے۔

اے بھائی یہ جان! جب لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے جیسا کہ ہم ان شا اللہ بتائیں گے، اور اللہ اس زمین کو کسی دوسری زمین سے بدلنے کا ارادہ کرے گا، اور اللہ کے حکم سے زمین پھیلا دی جائے گی، تو تاریکی سے نیچے ایک پل ہو گا، اور ساری مخلوق اسی پل پر ہو گی اور اللہ جیسے چاہے گا زمین کو تبدیل کرے گا، یہ تبدیلی یا تو صورت سے ہو گی یا پھر کسی دوسری زمین سے اِسے تبدیل کیا جائے گا، جس میں نیند نہ ہو گی اور جسے ساہرہ کہا جاتا ہے،[1] پھر اللہ سبحانہ اسے سطح زمین کی طرح پھیلائے گا۔ وہ متعال فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ﴾ (الانشقاق: ۳) جب زمین پھیلائی جائے گی۔ اور اس کی وسعت میں وہ جس قدر چاہے گا اضافہ فرمائے گا؛ جو اکیس جزو سے لے کر ننانوے جزو تک ہو گا ﴿لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا﴾ (طہ: ۱۰۷) یہاں تک کہ تجھے اس میں کوئی کجی اور ٹیلا دکھائی نہ دے گا۔

آسمان کا پھٹ پڑنا:

پھر وہ سبحانہ آسمان کو اپنی مٹھی میں لے گا، اِسے اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹے گا

---

[1] فتوحات کے باب نمبر ۳۷۱ میں آپ نے یہی لکھا ہے کہ مخلوق کو ایک ایسی تاریک پل پر لے جایا جائے گا جہاں سے وہ نہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور نہ ہی انہیں یہ نظر آئے گا کہ کیسے یہ زمین زمین آخرت سے تبدیل کی گئی۔ اور زمین آخرت کی ایک خوبی یہ ہو گی کہ اس میں نیند نہیں ہو گی۔

﴿كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكِتٰبِ﴾[1] (الانبیاء:۱۰۴) جیسے کتاب کے صفحات کو لپیٹا جاتا ہے۔ پھر اِسے زمین پر پھینک دے گا جسے اس نے نیچے پھیلایا؛ یہ اس کا کہنا ہے: ﴿وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ﴾ (الحاقة: ١٦) کہ آسمان پھٹ پڑے گا اور اس روز یہ بہت کمزور ہو گا۔ مخلوق اسی پھیلائی گئی زمین کی جانب لوٹائی جائے گی، وہ کھڑے ہو کر انتظار کریں گے کہ اللہ ان کے ساتھ کیا کرتا ہے، جب آسمان کمزور ہو جائے گا تو اس کے فرشتے اس کے کناروں پر ہو جائیں گے، اور اہل زمین مخلوق کی ایک کثیر تعداد دیکھیں گے، یہ تعداد میں اِن سے بھی بڑھ کر ہو گی، جب وہ اس قدر فرشتوں کو آتا دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ اللہ بھی انہی میں ہے، کہ انہوں نے اس سے پہلے یہ منظر نہ دیکھا ہو گا۔ کہیں گے: کیا ہمارا رب تمہارے درمیان ہے؟ فرشتے کہیں گے: پاک ہے ہمارا رب، وہ ہم میں نہیں، وہ آ رہا ہے۔ پھر فرشتے زمین کے ارد گرد جن و انس کو گھیر کر صف بنالیں گے۔ یہی آسمانِ دنیا والے فرشتے ہیں۔

پھر جب اللہ دوسرے آسمان کو بھی اپنی مٹھی میں لے گا اور اِس کے سیارے عطارد کو آگ میں پھینکے گا تو دوسرے آسمان والے فرشتے اتریں گے، یہ پہلے آسمان والوں سے زیادہ ہوں گے۔ مخلوق پوچھے گی: کیا ہمارا رب تم میں ہے؟ تو فرشتے اس سوال سے ڈر جائیں گے، کہیں گے: پاک ہے ہمارا رب، وہ ہم میں نہیں، وہ آ رہا ہے۔ یہ فرشتے بھی پہلے فرشتوں کی طرح کریں گے، اور ان کے پیچھے دوسرے گول دائرے میں صف بنا کر کھڑے ہو جائیں گے۔

پھر تیسرے آسمان والے فرشتے اتریں گے، اور سیارہ زہرہ کو آگ میں ڈالا

---

[1] یہاں شیخ اکبر نے ورش عن نافع اور ہشام عن عامر کی روایت کے مطابق کتاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔

جائے گا، اللہ اپنے دست قدرت سے ایسا کرے گا۔ مخلوق سوال کرے گی: کیا ہمارا رب تم میں ہے؟ فرشتے کہیں گے: پاک ہے ہمارا رب، وہ ہم میں نہیں، وہ تو آ رہا ہے۔ ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان تک یہی عمل ہوتا رہے گا حتی کہ ساتویں آسمان والے بھی اتر آئیں گے، لوگ دیکھیں گے کہ یہ تمام نازل شدہ فرشتوں سے زیادہ ہیں: مخلوق پوچھے گی: کیا ہمارا رب تم میں ہے؟ فرشتے کہیں گے: پاک ہے ہمارا رب! ہمارا رب آ رہا ہے ﴿إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا﴾ (الاسراء: ۱۰۸) اور ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

اللہ تعالی کا روز محشر میں آنا:

پھر اللہ تعالی فرشتوں کے ساتھ بادل کے سائے میں آئے گا۔ اس کے بائیں جانب جہنم ہو گی۔ اس کا آنا بادشاہ کے آنے جیسا ہو گا؛ کیونکہ وہ کہتا ہے: ﴿مَلِكِ[1] يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (الفاتحہ: ۳) یوم جزا کا بادشاہ اور وہ یہی روز ہے، سو اسے بادشاہ کہا گیا۔ فرشتے مخلوق کو گھیر کر سات صفیں بنا لیں گے۔ جب لوگ جہنم کو دیکھیں گے، کہ یہ متکبّروں جابروں پر غیظ و غضب میں بھڑک رہی ہو گی، تو سب خلقت اس سے دور بھاگے گی، کہ وہاں خوف اور گھبراہٹ کا عجب منظر ہو گا، یہی تو وہ سب سے بڑی گھبراہٹ ہے، سوائے ایک جماعت ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۳) جنہیں یہ عظیم گھبراہٹ بھی پریشان نہ کرے گی، اور فرشتے ان سے مل کر کہیں گے، یہی وہ دن ہے جس کا تم سے

---

[1] یہ سورۃ فاتحہ کی اس آیت کی دوسری قرأت ہے۔ ورش عن نافع، هشام عن ابن عامر، قالون میں ملک یوم الدین (یعنی روز جزا کا بادشاہ ہے) جبکہ حفص عن عاصم، الدوری عن الکسائی اور ابی الحارث عن الکسائی میں مالک یوم الدین ہے (یعنی روز جزا کا مالک)

وعدہ کیا جاتا تھا۔ پس وہ نبیوں کے ساتھ خود پر بے خوف ہوں گے، لیکن انبیا اپنی امتوں کے حق میں گھبرا رہیں ہوں گے، اُس شفقت کے باعث جس پر اللہ نے مخلوق کو تخلیق کیا، اس روز وہ کہیں گے: سلامتی سلامتی۔

پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اس کی مخلوق میں سے بے خوف لوگوں کے لیے نور کے منابر رکھیں جائیں، اور ایسا محشر میں ان کی منازل کے حساب سے ہو گا، وہ ان پر خوشخبریاں پاتے ہوئے بے خوف بیٹھ جائیں گے، اور یہ رب تعالیٰ کے آنے سے پہلے ہو گا۔ سو جب لوگ جہنم کے خوف اور اس روز کی گھبراہٹ سے بے ترتیب بھاگیں گے تو چاروں اور فرشتوں کو صف در صف کھڑا دیکھیں گے، لہذا ان سے آگے نہیں جا پائیں گے۔ چنانچہ حق کے چوکیدار یہ فرشتے انہیں محشر کی جانب دھکیلیں گے۔ اور انبیا پکاریں گے: لوٹ آؤ، لوٹ آؤ۔ ان میں سے بعض دیگر بعض کو پکاریں گے جو اللہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ(۳۲)یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾(المؤمن: ۳۲-۳۳) (اے قوم) مجھے تمہارے لیے پکار کے روز کا خوف ہے، جب تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تو اس وقت تمہیں اللہ سے کوئی نہ بچا پائے گا۔ رسول کہہ رہے ہوں گے: یا اللہ سلامتی سلامتی۔ وہ اپنی امتوں کے حوالے سے شدید خوف کا شکار ہوں گے، اور امتی اپنے بارے میں خائف ہوں گے، جبکہ وہ پاک اور محفوظ ہستیاں جن کے باطن گمراہ کر دینے والے شبہات اور جن کے ظواہر شرعی مخالفتوں سے ناپاک نہ ہوئے وہی بے خوف ہوں گے۔ انبیا بھی ان پر رشک کریں گے کہ انہیں کیا بے خوفی حاصل ہے، کیونکہ انبیا اپنی امتوں کے حوالے



سے خوف کا شکار ہوں گے۔[1]

محشر میں کرم والا:

پھر ایک پکارنے والا اللہ کی جانب سے پکارے گا، جسے سب مخلوق سنے گی، انہیں پتا نہیں چلے گا، یا مجھے نہیں پتا، کیا یہ حق سبحانہ کی اپنی آواز ہو گی یا اللہ کے حکم سے کسی کی آواز ہو گی، اس پکار میں وہ کہے گا: "اے اہل موقف! آج تم جان جاؤ گے کہ اصحابِ کرم کون ہیں" کیونکہ اس نے ہمیں بتایا ہے: ﴿يَآأَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾ (الانفطار: ٦) اے انسان! تجھے کس شے نے اپنے کریم رب سے دھوکے میں رکھا۔ یہ ہمیں بتلانا اور یاد دلانا ہے، تاکہ وہ کہے: اُس کے کرم نے۔ ہم نے اپنے شیخ شنخنہ کو ایک روز روتے روتے یہ فرماتے سنا: اے لوگو! وہ کچھ نہ کرو جو اس کے کرم کے لائق نہیں، اس نے ہمیں وجود بخشا، جبکہ ہم کوئی شے نہ تھے، اس نے ہمیں علم دیا جبکہ

---

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۷۰ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے، آپ فرماتے ہیں: جہاں تک نبی ﷺ کا یہ قول ہے کہ "روز قیامت ایک ایسی جماعت کے لیے منابر رکھے جائیں گے جو نہ انبیا ہوں گے نہ شہدا، جبکہ انبیا اور شہدا بھی ان پر رشک کریں گے۔"
شیخ فرماتے ہیں یہاں شہدا (یعنی گواہوں) سے مراد رسول ہیں کیونکہ وہ اپنی قوموں پر گواہ ہیں۔ اور یہ اِن لوگوں پر اِس لیے رشک کریں گے کہ یہ لوگ روز قیامت بھی خوف و غم سے دور راحت میں ہوں گے، جبکہ انبیا، رسول اور اس امت کے وہ صالح اولیا جو انبیا کے وارث ہیں وہ اپنی امتوں اور پیروکاروں کے حق میں خائف اور ڈر رہے ہوں گے۔ ان ہستیوں کی نہ کوئی امت ہو گی نہ کوئی اتباع لہذا وہ خود پر بے خوف ہوں گے، جیسے انبیا خود پر تو بے خوف ہوں گے لیکن اپنے پیروکاوں کے حق میں خائف ہوں گے، اسی لیے وہ انبیا اور رسول ان پر رشک کریں گے۔

ہمارے پاس کوئی علم نہ تھا، اس نے اپنے احسان سے ہم پر شروعات کی کہ ہمیں خود پر، اپنی کتابوں پر اور اپنے رسولوں پر ایمان والا بنایا، جبکہ ہمیں کچھ سمجھ نہ تھی۔ کیا تم یہ سوچتے ہو کہ جب ہمیں سمجھ آگئی اور ہم ایمان لے آئے تو کیا وہ ہمیں عذاب دے گا، اس سبحانہ کا کرم ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ کی بات سن کر میں بھی خوشی سے رو پڑا اور باقی لوگ بھی رو پڑے۔

تین خوش بخت لوگ:

ہم اپنی بات کی طرف لوٹتے ہیں کہتے ہیں: حق اس پکار میں کہے گا: کہاں ہیں وہ لوگ ﴿تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؗ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾(السجدة: ١٦) جن کے پہلو بستروں سے دور رہے، جو خوف اور لالچ میں اپنے رب کو پکارتے رہے اور جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے رہے۔[1] انہیں جنت کے پاس لے جایا جائے گا۔ پھر وہ حق کی ایک دوسری پکار سنیں گے۔ میں نہیں جانتا کیا یہ حق کی پکار ہو گی یا حق کے حکم پر پکار ہو گی؟ کہاں ہیں وہ لوگ ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ (٣٧) لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ (النور: ٣٧-٣٨) جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر، نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی تھی، وہ اُس روز کا خوف رکھتے تھے جب آنکھیں اور قلوب پلٹ جائیں گے، تاکہ اللہ انہیں ان کے عمل کا بہترین بدلہ دے اور اپنے فضل

---

[1] یعنی جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر رب کو مناتے رہے، جن کی ساری امیدیں اپنے رب سے ہوتی تھیں نہ کہ دنیا اور دنیا داروں سے، اور جو رب کے دیئے رزق میں سے خرچ کرتے یعنی اپنے رب کو قرض دیتے رہے۔

سے زائد عطا کرے۔ یہ زائد جیسا کہ ہم نے بتایا اختصاصی جنتیں ہیں۔ انہیں بھی جنت کا حکم ہو جائے گا۔ پھر وہ تیسری پکار سنیں گے۔ مجھے نہیں پتا کہ یہ حق کی پکار ہو گی یا حکم حق پر پکار ہو گی۔ اے اہل محشر! آج تم جان جاؤ گے کہ کون کرم والے ہیں، کہاں ہیں وہ لوگ ﴿صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ (الاحزاب: ۲۳) جنہوں نے اللہ سے کیا وعدہ سچ کر دکھایا۔ ﴿لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۲۴) تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور انہیں بھی جنت کا حکم ہو جائے گا۔

تین بد بخت لوگ:

اس پکار کے بعد دوزخ سے ایک گردن نکلے گی، جب وہ مخلوق کو دیکھے گی تو اس کی دو آنکھیں اور ایک فصیح زبان ہو گی۔ وہ کہے گی: اے اہل محشر! تم میں سے تین گروہ میرے حوالے کیے گئے، جیسا کہ پہلی تین پکاریں اہل سعادت کے تین گروہوں کے لیے تھیں۔ یہ سب حساب کتاب سے پہلے ہو گا، لوگ خوف کے مارے پسینے میں غرق کھڑے ہوں گے، یہ ہولناک منظر دیکھ کر دل پھٹ پڑیں گے۔ تو آگ سے نکلی یہ گردن کہے گی۔

ہر سرکش اور جابر میرے حوالے کیا گیا[1]، یہ صفوں میں سے انہیں ایسے اٹھائے گی جیسے پرندہ تل کے دانے اٹھاتا ہے۔ جب اس مقام پر ان سرکشوں اور جابروں میں سے کوئی نہیں بچے گا تو ایک دوسری پکار سنائی دے گی: اے اہل محشر! وہ لوگ

---

[1] سرکش اور جابر وہ جو اِس محدود دنیاوی زندگی میں مطلق العنان بننے کی کوشش کرتے رہے۔ جنہوں نے رب کے احکامات کو پس پشت ڈالا اور اپنی من مانیاں کرتے رہے۔

میرے حوالے کیے گئے جو اللہ اور اس کے رسولوں کو تکالیف پہنچاتے تھے[1]۔ یہ لوگوں کے بیچ میں سے انہیں بھی ویسے اٹھائے گی جیسے پرندہ تل کے دانے اٹھاتا ہے۔ جب ان میں سے بھی کوئی نہیں بچے گا تو یہ تیسری دفعہ پکارے گی: اے اہل محشر! وہ لوگ میرے حوالے کیے گئے جو اللہ کی تخلیق کی طرح تخلیق کیا کرتے تھے۔ یہ مصوروں کو اٹھائے گی[2]۔ یہ وہ لوگ ہیں جو گرجا گھروں میں تصویریں بنایا کرتے تھے، تاکہ ان صورتوں کی عبادت کی جائے، یا وہ لوگ جو بت تراشا کرتے تھے، یہ اُس متعال کا کہنا ہے: ﴿أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ﴾(الصافات: ۹۵) کیا تم لوگ ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو؟ یہ مصور لوگ ان کے لیے لکڑی اور پتھروں سے مورتیاں بنایا کرتے تھے تاکہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کریں، یہ ہیں مصور۔ وہ گردن انہیں بھی صفوں کے درمیان سے ایسے اٹھائے گی جیسے پرندہ تل کے دانے اٹھاتا ہے۔ جب اللہ ان تمام اشخاص کو اٹھالے گا اور ان میں ایسے لوگ رہ جائیں گے یعنی وہ مصور جن کی تصویر کا مقصد عبادت کے لیے مورتیاں بنانا نہ ہو گا، تو ان سے کہا جائے گا: اب ان مورتیوں میں روحیں پھونکو تاکہ یہ زندہ ہو جائیں اور وہ ایسا نہیں کر پائیں گے، جیسا کہ مصوروں کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے۔ وہ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے کہ اللہ ان کے ساتھ کیا کرتا ہے، اور وہ پسینے میں ڈوب رہے ہوں گے۔

---

[1] دوسرے وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو تکالیف دیتے رہے، اللہ اور اس کے رسولوں کی بے حرمتی اور گستاخیاں کرتے رہے۔ روز قیامت یہ بھی پہلے ہی اچک لیے جائیں گے۔

[2] جیسا کہ شیخ اکبر نے واضح کر دیا یہاں مصوروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو عبادت کے لیے بت تراشتے، مورتیاں بناتے یا گرجا گھروں میں ایسی تصاویر بناتے تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ عام مصور اس گروہ میں شامل نہیں ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

قیامت کی ایک طویل حدیث:

ہمارے شیخ القصّار نے شہر مکہ میں ہمیں سن پانچ سو ننانوے ہجری میں اپنے الفاظ میں بتایا، اور اس وقت آپ کعبہ شریف کے رکن یمانی کے پاس تھے، اور آپ یونس بن یحیی بن الحسین بن ابی البرکات الہاشمی العباسی ہیں، اور میں سن رہا تھا۔ فرمایا: ہمیں ابو الفضل محمد بن عمر بن یوسف الارموی نے بتایا، کہتے ہیں: ہمیں ابو بکر محمد بن علی بن محمد بن موسی بن جعفر المعروف ابن الخیاط المغربی نے بتایا، کہتے ہیں: ابو سہل محمد بن عمر بن اسحاق العکبری کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی اور میں سن رہا تھا۔ ان سے کہا گیا: اللہ آپ سے راضی ہو آپ کو ابو بکر محمد بن الحسن النقاش نے بتایا، تو وہ بولے جی ابو بکر نے ہمیں بتایا، بولے: ہمیں ابو بکر احمد بن الحسین بن علی الطبری البزوری نے بتایا، بولے: ہمیں محمد بن حمید الرازی ابو عبد اللہ نے بتایا، کہتے ہیں: ہمیں سلمہ بن صالح نے بتایا، کہتے ہیں: ہمیں قاسم بن الحکم نے سلام طویل سے انہوں نے غیاث بن مسیب سے اور انہوں نے عبد الرحمن بن غنم اور زید بن وہب سے عبد اللہ بن مسعود کے واسطے سے سنا، کہ وہ فرماتے ہیں: میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا، اور آپ کے پاس عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور آپ کے ارد گرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدّد صحابی تھے، تو علی رضی اللہ عنہ بولے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[1]

---

[1] علمائے کشف کے نزدیک یہ حدیث کشف سے درست ہے البتہ علمائے رسوم نے اس کی سند میں کلام کیا ہے۔ ہم یہاں دیگر صحیح احادیث سے وہ شواہد درج کریں گے جو اس کی تائید کرتے ہیں۔

قیامت کے پچاس ہزار سال:

"بیشک قیامت کے پچاس مواقف ہیں، اور ہر موقف ہزار سال پر محیط ہے۔[1]

پہلا وہ مقام جب لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے، تو یہ اپنی قبروں کے دروازوں پر ہزار سال بھوکے پیاسے ننگے بدن اور ننگے پاؤں کھڑے رہیں گے۔[2] سو جو کوئی اپنی قبر سے اپنے رب پر ایمان، اپنے نبی پر ایمان، جنت اور دوزخ پر ایمان اور دوبارہ جی اٹھنے اور قیامت پر ایمان، قضاو قدر اور اس کے خیر و شر پر ایمان کی حالت میں اٹھا، اور اس نے تصدیق کی کہ محمد ﷺ اپنے رب کی طرف سے جو لائے تو وہ نجات پا گیا، کامیاب ہوا، اس نے فلاح پائی اور سعادت مند ہوا۔ اور جس نے ان میں سے کسی شے پر بھی شک کیا، تو وہ اپنی بھوک پیاس، غم اور کرب میں ہزار سال تک رہا، یہاں تک کہ اللہ اس

---

[1] صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، صحیح نسائی، صحیح ابن حبان اور دیگر کتب حدیث میں ابو ہریرہ سے روایت ایک لمبی حدیث درج ہے جس کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے: جس نے سونا اور چاندی جمع کیا اور پھر اس کی زکوۃ نہ دی تو قیامت کے روز اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی، انہیں آگ میں گرم کیا جائے گا اور پھر اس کی پیٹھ، کمر اور ماتھے کو ان سے داغا جائے گا، جب وہ ٹھنڈی ہوں گی تو دوبارہ ایسا کیا جائے گا، اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے مابین فیصلہ کر دیا جائے، پھر یا تو یہ جنت میں جائے گا یا دوزخ میں۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا۔

[2] اسی حوالے سے صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس سے روایت ایک حدیث میں نبی ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: **بیشک تم روز قیامت میدان حشر میں ننگے پاؤں ننگے بدن بغیر ختنہ کے ہوگے۔**

کے حق میں کوئی فیصلہ کر دے۔

مقام محشر:

پھر انہیں مقام محشر کی جانب لایا جائے گا، تو یہ ایک ہزار سال اپنی ٹانگوں پر آگ کے شامیانوں اور سورج کی گرمی میں کھڑے رہیں گے، اوپر سورج کی گرمی ہو گی، اور آگے پیچھے، دائیں بائیں آگ ہی آگ، وہاں صرف عرش کا سایہ ہو گا۔ پس جس نے اللہ تبارک و تعالی سے اخلاص کی حالت میں ملاقات کی، اس کے نبی ﷺ کا اقرار کیا، شرک اور جادو سے دور رہا، اسی طرح مسلمانوں کا خون بہانے سے اس کے ہاتھ پاک رہے، اللہ اور اس کے رسول کا ناصح، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں سے محبت کرتا رہا، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں سے بغض رکھا؛ تو وہ عرش الرحمن کے سایے میں ہو گا، اور ہر غم سے نجات پائے گا۔ لیکن اگر کسی نے یہ راہ نہ اپنائی، اور اِن گناہوں میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کیا، یا اس کا دل بدل گیا اور اس نے اپنے دین میں کسی شے پر شک کیا؛ تو وہ ایک ہزار سال گرمی، تکلیف اور عذاب میں پڑا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ اس کے حق میں کوئی فیصلہ کر دے۔

پھر مخلوق کو نور اور ظلمت کی جانب لایا جائے گا، پس وہ ہزار سال ظلمت میں رہیں گے۔ سو جس نے اللہ سے ایسی حالت میں ملاقات کی کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا، اور اس کے دل میں نفاق بھی نہ آیا، اس نے دین کے کسی معاملے پر شک بھی نہ کیا، اپنا حق ادا کیا اور حق کہا، اپنے معاملے میں لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کیا، ظاہر اور پوشیدہ اللہ کی اطاعت کی، اور جو اللہ کے فیصلے سے راضی رہا، اللہ کی عطا پر قناعت کی؛ تو وہ پلک جھپکتے ہی ظلمت سے نکل کر نور میں آجائے گا، اس کا چہرہ روشن ہو گا، اور اسے تمام غموں سے نجات ملے گی۔ اب جس نے ان میں سے کسی شے کی بھی مخالفت کی، تو

وہ درد و غم میں ہزار سال گزارے گا، اور پھر اس کے بعد سیاہ رُو باہر آئے گا، وہ اللہ کی مشیت کے حوالے ہے کہ اللہ اس کے ساتھ جو چاہے کرے۔

حساب کتاب:

پھر مخلوق کو حساب کتاب کے پنڈال میں لایا جائے گا، یہ دس شامیانے ہیں، لوگ اِن میں سے ہر شامیانے میں ہزار سال ٹھہریں گے۔ پہلے شامیانے میں ابن آدم سے حرام کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اُس نے کوئی حرام کام نہ کیا ہو گا تو اُسے دوسرے شامیانے میں لے جایا جائے گا۔ وہاں خواہشات کا پوچھا جائے گا؛ اگر یہاں سے بھی نجات ملی تو تیسرے شامیانے میں جائے گا۔ یہاں والدین کی نافرمانی کا پوچھا جائے گا؛ اگر نافرمانی نہیں کی ہو گی تو چوتھے شامیانے میں جائے گا۔ وہاں اس سے ان بچوں کے حقوق کے بارے میں پوچھا جائے گا جن کا اسے نگران بنایا گیا، کہ اُس نے انہیں قرآن کی تعلیم دی، دین کے معاملات کی سمجھائے؛ اگر اس نے یہ سب کیا ہو گا تو اسے پانچویں شامیانے میں لایا جائے گا۔ یہاں اس سے لونڈیوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، اگر اس نے ان کے ساتھ احسان کیا ہو گا تو چھٹے شامیانے میں جائے گا۔ وہاں قرابت داروں کے حقوق کا سوال ہو گا، اگر اس نے ان کے حقوق ادا کیے ہوں گے تو ساتویں شامیانے میں جائے گا۔ وہاں اس سے صلہ رحمی کا سوال ہو گا؛ اگر اس نے صلہ رحمی کی ہو گی تو آٹھویں شامیانے میں جائے گا۔ جہاں اس سے حسد کا سوال ہو گا؛ اگر اس نے حسد نہیں کیا ہو گا تو نویں شامیانے میں جائے گا جہاں اس سے مکر کا پوچھا جائے گا؛ اگر اس نے کسی کے ساتھ مکر نہیں کیا ہو گا تو دسویں شامیانے کا رخ کرے گا جہاں اس سے دھوکے کا پوچھا جائے گا؛ اگر اس نے کسی کو دھوکا نہ دیا ہو گا تو وہ نجات پا کر عرشِ الٰہی کے سایے میں جا کھڑا ہو گا، اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور اس کا دل

خوش ہو گا اور وہ ہنس رہا ہو گا۔ اگر وہ ان برائیوں میں سے کسی برائی میں بھی مبتلا رہا تو ہر مقام پر ایک ہزار سال، بھوکا پیاسا، حزین اور غمگین کھڑا رہے گا اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی اسے فائدہ نہ دے گی۔

اعمال ناموں کے بعد پندرہ مقامات:

پھر اس کے بعد انہیں جمع کیا جائے گا اور اعمال نامے دائیں یا بائیں پکڑائے جائیں گے، یہاں پھر وہ پندرہ مقامات میں قید ہوں گے؛ ہر مقام ہزار سال کا ہے۔ پہلے ٹھکانے میں اِس سے صدقات کا پوچھا جائے گا، وہ جو اللہ نے اموال میں فرض کیے، سو جس نے انہیں مکمل ادا کیا ہو گا وہ دوسرے مقام میں جائے گا، جہاں اس سے حق بات اور لوگوں کو معاف کرنے کا پوچھا جائے گا، سو جس نے معاف کیا ہو گا اللہ بھی اسے معاف کرے گا، اور وہ تیسرے مقام کا رخ کرے گا۔ جہاں اس سے امر بالمعروف کا پوچھا جائے گا، اگر اُس نے معروف کا حکم دیا ہو گا تو وہ چوتھے مقام میں جائے گا جہاں "نہی عن المنکر" کا پوچھا جائے گا، اگر اس نے منکر سے منع کیا ہو گا تو وہ پانچویں مقام میں جائے گا۔ یہاں اس سے حسن خلق کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ اگر وہ اچھے اخلاق سے پیش آیا ہوا تو چھٹے مقام میں جائے گا، جہاں اس سے حُب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ اگر اس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے ہی بغض رکھا تو وہ ساتویں مقام میں جائے گا۔ جہاں اس سے مال حرام کا پوچھا جائے گا؛ اگر اس نے مال حرام نہ کمایا تو آٹھویں مقام میں جائے گا۔ جہاں اس سے شراب کا پوچھا جائے گا؛ اگر اس نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا تو نویں مقام میں جائے گا جہاں اس سے حرام شرمگاہوں کا پوچھا جائے گا؛ اگر اس نے بدکاری کا ارتکاب نہ کیا تو اس سے دسویں مقام میں لایا جائے گا، جہاں جھوٹ کے بارے میں سوال ہو گا؛ اگر اس نے جھوٹ سے

اجتناب کیا ہو گا تو گیارہویں مقام میں جائے گا۔ وہاں اس سے جھوٹی قسموں کا پوچھا جائے گا؛ اگر وہ جھوٹی قسموں سے بری ہوا تو بارہویں مقام میں جائے گا جہاں سود کا سوال ہو گا، اگر اس نے سود نہ لیا ہو گا تو تیرہویں مقام میں جائے گا۔ جہاں پاک عورتوں پر جھوٹی تہمتوں کا سوال ہو گا، اگر وہ اس سے بری ہوا کہ اس نے کسی پر جھوٹ نہ باندھا تو چودھویں مقام میں جائے گا، جہاں جھوٹی گواہی کا پوچھا جائے گا، اگر اس نے جھوٹی گواہی بھی نہ دی ہو گی تو پندرہویں مقام میں جائے گا جہاں اس سے بہتان کا پوچھا جائے گا؛ اگر اس نے کسی مسلمان پر بہتان نہ باندھا ہو گا، تو یہ گزر کر حمد کے پرچم تلے کھڑا ہو جائے گا، اِس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یہ اعمال نامے کے خوف اور گھبراہٹ سے نجات پائے گا، اور اس کا آسان حساب کیا جائے گا، لیکن اگر ان میں سے کوئی گناہ کیا اور دنیا سے توبہ کیے بغیر گیا، تو ان پندرہ مقامات میں ہر مقام پر ایک ہزار سال کھڑا رہے گا، یہ ہزار سال، غم، گھبراہٹ، خوف، حزن، بھوک اور پیاس کے ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے۔

اعمال نامے پڑھنا:

پھر ایک ہزار سال لوگوں کو کھڑے ہو کر ان کے اعمال نامے پڑھنے کا کہا جائے گا، سو جو کوئی سخی ہوا اور اس نے اپنا مال اس فقر، حاجت اور فاقے والے دن کے لیے دیا؛ تو وہ اپنا اعمال نامہ پڑھ لے گا اور اس پر یہ آسان کر دیا جائے گا، اُسے جنت کا لباس اوڑھایا جائے گا اور جنت کے تاجوں میں سے ایک تاج پہنایا جائے گا، اُسے عرش رحمن کے سایے میں بٹھایا جائے گا، اور وہ بے خوف اور مطمئن ہو گا۔ لیکن اگر وہ بخیل ہوا؛ اور اس نے اپنا مال اس فقر اور فاقے والے روز کے لیے نہ دیا، تو اُسے اس کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں پکڑائی جائے گی، اور اس کے لیے آگ کی رسیاں لائی جائیں

گی، اسے ساری مخلوق کے سامنے ایک ہزار سال کے لیے بھوک، پیاس، ننگ، غم، حزن اور رسوائی کا نمونہ بنا کر کھڑا کیا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے۔

میزان:

پھر لوگوں کو میزان کی جانب لایا جائے گا، وہ ایک ہزار سال میزان کے پاس کھڑے رہیں گے۔ سو میزان میں جس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہوئیں تو وہ پلک جھپکتے ہی فلاح اور نجات پائے گا، لیکن جس کی نیکیاں کم ہوئیں اور برائیاں بڑھ گئیں؛ تو اسے میزان کے پاس ہزار سال کے لیے غم، خوف، حزن عذاب، اور بھوک پیاس میں روک لیا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے۔

رب تعالیٰ کے سامنے بارہ مقامات:

پھر مخلوق کو اللہ کے سامنے بارہ مقامات پر کھڑے ہونے کے لیے پکارا جائے گا، ان میں سے ہر مقام ہزار سال کے برابر ہو گا۔ پہلے مقام پر کسی کی گردن چھڑانے یعنی غلام آزاد کروانے کا پوچھا جائے گا، سو جس نے کسی کو آزادی دی ہو گی اللہ اسے دوزخ سے آزاد کر دے گا، اور وہ دوسرے مقام میں جائے گا۔ وہاں قرآن کے حق اور تلاوت کا پوچھا جائے گا، اگر اس نے اسے مکمل کیا تو وہ تیسرے مقام میں جائے گا، جہاں اس سے جہاد کا پوچھا جائے گا، اگر اس نے اللہ کی راہ میں اللہ کے لیے (نہ کہ دنیاوی منفعت اور فائدے کے لیے) جہاد کیا ہو گا تو وہ چوتھے مقام میں جائے گا جہاں اس سے غیبت کا پوچھا جائے گا، اگر اس نے غیبت نہیں کی تو پانچویں مقام کا رخ کرے گا، جہاں چغلخوری کا پوچھا جائے گا، اگر وہ چغل خور بھی نہ ہوا تو چھٹے مقام میں جائے گا، جہاں جھوٹ کا

پوچھا جائے گا، اگر جھوٹ سے بھی نجات پائی تو ساتویں مقام میں جائے گا، جہاں اس سے علم حاصل کرنے کا پوچھا جائے گا، اگر اس نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو آٹھویں مقام میں جائے گا۔ جہاں اس سے خود پسندی کا پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اپنے دین اور دنیا کے کسی عمل میں خود پسندی کا شکار نہ ہوا تو وہ نوویں مقام میں جائے گا، جہاں اس سے تکبّر کا پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے خود کو کسی سے بڑا بھی نہ سمجھا تو وہ دسویں مقام میں جائے گا۔ تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا وہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہوا تھا، اگر وہ اللہ کی رحمت سے پُر امید رہا تو گیارہوں مقام میں جائے گا جہاں اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ آیا وہ اللہ کے مکر سے بے خوف رہا، اگر وہ اللہ کے مکر سے خائف رہا تو اسے بارہویں مقام میں لے جایا جائے گا جہاں اس سے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں پوچھا جائے گا، اگر اس نے پڑوسی کے حقوق ادا کیے تو اسے اللہ تعالی کے سامنے سرخرو، خوش دل، روشن چہرے کے ساتھ لباس پہنا کر مسکراتا اور خوشخبری پاتا ہوا پیش کیا جائے گا، اس کا رب اسے خوش آمدید کہے گا اور اُسے اپنی رضا کی خوشخبری سنائے گا۔ اس پر وہ اتنا خوش ہو گا کہ یہ خوشی اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر اس نے ان میں سے کسی کا حق ادا نہ کیا اور توبہ کیے بغیر مر گیا، تو ہر مقام پر ہزار سال کے لیے قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ اس کے بارے میں فیصلہ کر دے۔

پُل صراط:

پھر لوگوں کو پُل صراط پر جانے کا حکم ہو گا، اور وہ صراط پر جا پہنچیں گے، یہ جہنم میں وہ پل ہیں جو بال سے باریک اور دھار میں تلوار سے تیز ہے۔ یہ پل جہنم میں چالیس ہزار سال تک رہے، کہ اِن کے ارد گرد جہنم کے شعلے جلتے رہے، اور ان پلوں پر خار دار کانٹے اور نوکیلے ناخن ہوں گے۔ یہ سات پل ہیں اور ساری مخلوق کو ان پر سے

گزارا جائے گا، ان میں سے ہر پُل پہاڑ کی مانند ہے، اور یہ تین ہزار سال کا سفر ہے: ہزار سال کی چڑھائی ہے، ہزار سال کا میدان ہے اور ہزار سال کی اترائی ہے۔ اور یہ اللہ عزوجل کا کہنا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ (الفجر: ۱۴) بیشک تیرا رب گھات میں بیٹھا ہے﴾ یعنی ان پلوں پر اور فرشتے بھی ان پر مخلوق کی نگرانی کر رہے ہوں گے، سب سے پہلے ایمان باللہ کا پوچھا جائے گا، اگر وہ اللہ پر ایسا ایمان رکھنے والا ہوا کہ جس میں شک اور شبہے کی گنجائش نہیں تو وہ دوسرے پُل پر جائے گا۔

یہاں اُس سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا، اگر اس کی نماز مکمل ہوئی تو تیسرے پل پر جائے گا، جہاں زکوۃ کا پوچھا جائے گا۔ اگر زکوۃ بھی پوری ہوئی تو چوتھے پل پر جائے گا، جہاں اس سے روزے کا سوال ہو گا۔ اگر اس کے روزے مکمل ہوئے تو یہ پانچویں پل پر جائے گا، جہاں اُس سے حج کا سوال کیا جائے گا، اگر اس نے پورے مناسک کے ساتھ حج کیا تو چھٹے پل پر جائے گا، جہاں اس سے طہارت کے بارے میں پوچھا جائے گا، اگر یہ بھی پورا نکلا تو اسے ساتویں پل کی طرف لایا جائے گا جہاں اس سے مظالم کا پوچھا جائے گا، اگر اُس نے کسی پر ظلم نہ کیا ہو گا تو وہ جنت میں جائے گا۔ لیکن اگر کسی ایک میں بھی کمی کوتاہی ہو گی تو اس پل پر ہزار سال کے لیے روک لیا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے۔ آپ نے یہ حدیث آخر تک بتائی، اس حدیث کا اگلا حصہ ان شاء اللہ جنت کے باب میں آئے گا، کیونکہ وہ جنت سے مخصوص ہے۔ ہم نے نشات آخرت کا کہ جس پر انسان کا حشر ہو گا برزخ کے باب میں ذکر نہیں کیا، کیونکہ یہ ایک محسوس اور غیر خیالی نشات ہے، اور قیامت بھی محقق، موجود اور حسی معاملہ ہے، جیسا کہ انسان دنیا میں ہے، اسی لیے ہم نے اس کا ذکر اس باب کے لیے موخر کیا۔

وصل: دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں لوگوں کا اختلاف

یہ جان کہ جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان رکھتے ہیں وہ بھی اجسام کے جمع کیے جانے میں اختلاف رکھتے ہیں، ہمارا اُس سے کوئی سروکار نہیں جو دوبارہ اٹھائے جانے اور نشاتِ آخرت کو غیر محسوس عقلی معاملہ سمجھتا ہے، کہ یہ حقائق کے برخلاف اس کی سمجھ ہے [1]۔ اور اُسے یہ تک علم نہیں کہ یہاں دو نشاتیں ہیں: ایک اجسام کی نشات اور دوسری ارواح کی نشات، جو کہ معنوی نشات ہے۔ اس نے معنوی نشات کا تو اثبات کیا لیکن محسوس کو ثابت نہ کیا۔ ہم بھی اس مخالف کی طرح اِس روحانی معنوی نشات کے حشر کا اثبات کرتے ہیں، لیکن دوسری رائے میں اِس کے ساتھ نہیں، اور یہ کہ کسی انسان کی موت ہی اس کی قیامت ہے، لیکن یہ چھوٹی قیامت ہے۔ بیشک

---

[1] شیخ اکبر نے اپنی کتاب تنزلات الموصلیہ میں اہل دوزخ کے ایک بد بخت خطیب کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں جو وہ اہل دوزخ کو خطبہ دیتے ہوئے کہہ رہا ہے:

میں نے یوم جزا کا انکار کیا، لہذا میں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے محروم رہا، پھر میں نے اجسام کے حشر کو ناممکن جانا، وہ اس لیے کہ میں سمجھا آخرت (دنیا کی طرح) تخلیق اور تخریب کا گھر نہیں، نبوت کو میں نے سیاست سمجھا، کیونکہ میرے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں، میزان کو میں اپنی ذوات میں عدل سے تعبیر کرتا رہا، اور میرے نزدیک پل صراط اپنے اخلاق کو اچھا کرنا تھا، حوض کو میں نے علم کہا، اور ستاروں کی تعداد کے مطابق اس کے برتنوں کو علم کے فنون، میں نے تمہارے سامنے ان سب چیزوں کو فلسفی رموز اور فاسد اشارات قرار دیا، ... میں شریعت کا مذاق اڑاتا رہا، اور طبیعہ (یعنی سائنس) کی بیعت کرتا رہا، رسولوں کی تکذیب کی اور راہ سے گمراہ کیا۔ میں کیا ہی غلط تھا، اور جو میرے دھوکے میں آئے وہ کیا ہی بے وقوف تھے، اور میرا کیا برا ٹھکانہ ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے: "جو مر گیا تو اُس کی قیامت آ گئی۔[1]" جبکہ حشر تمام جزوی نفوس کا نفس کلیہ کے پاس جمع ہونا ہے۔ یہ سب تو میں بھی کہتا ہوں جیسا کہ وہ مخالف کہتا ہے، قیامت کے بارے میں اس کی بات یہیں ختم ہو جاتی ہے۔[2]

آخرت حسی ہے یا معنوی؟

اب جو تناسخ[3] کا قائل ہے اور جو قائل نہیں وہ بعینہ اسی میں اختلاف رکھتا ہے۔

---

[1] اس حدیث کی شرح میں شیخ اکبر لکھتے ہیں کہ قیامت دو طرح کی ہے: ایک قیامت صغری اور دوسری قیامت کبری۔ قیامت صغری کسی شخص کا اس دنیاوی زندگی سے ممثل جسد والی برزخی حیات کی طرف انتقال کا نام ہے جسے موت کہتے ہیں۔ اور قیامت کبری ہی وہ قیامت ہے جس میں حشر و نشر، حساب کتاب اور جزا و سزا کا فیصلہ ہو گا۔

[2] اس پیراگراف میں شیخ اکبر نے یہ بتایا ہے کہ لوگ آخرت میں اٹھائے جانے کے حوالے سے مختلف عقیدے رکھتے ہیں، جو لوگ بعث کے قائل ہیں ان میں بھی کچھ صرف روحانی معنوی نشات کے قائل ہیں۔ شیخ کے نزدیک یہ لوگ حقائق سے دور ہیں اور اصل میں یہ اٹھایا جانا جسمانی اور روحانی دونوں نشاتوں میں ہے۔

[3] تناسخ کے حوالے سے شیخ فتوحات کے باب نمبر ۱۳۷ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے صور کو سینگھ کی صورت میں پیدا کیا، چونکہ یہ سینگھ تمام برزخی صورتوں کی جا ہے، جہاں ارواح موت کے بعد یا نیند میں جاتی ہیں تو انہیں صورتیں کہا گیا جو صورت کی جمع ہے۔ اس سینگھ کی صورت اوپر سے کشادہ اور نیچے سے تنگ ہے جیسے اس عالم کی صورت ہے۔ کہاں عرش کی وسعت اور کہاں زمین کی تنگی؟ موت اور نیند میں روح کے ساتھ قوت بھی انہی برزخی صورتوں میں منتقل ہو جاتی ہے، اسی لیے روح تمام قوتوں سے ادراک کرتی ہے۔ میں نے تجھے اصل بات بتادی۔

یہ سب اہل عقل اور اہل فکر ہیں۔ اور اِس بارے میں یہ سب قرآن کی آیات اور احدیث نبوی کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں [1]، اگر ہم وہ سب یہاں بیان کریں اور اس پر بات کریں تو ان کے ساتھ اِس بات چیت اور ان کے کہے کی تحقیق میں یہ باب لمبا ہو جائے گا۔ ان میں سے جس کسی نے بھی کوئی راستہ اپنایا تو اُس کے پاس صحیح حق کا ایک رخ تھا، اور اس قائل نے شارع کی ایک مراد تو درست سمجھی، لیکن یہ وہ بات نہ سمجھ

تناسخ والوں کے قدم یہاں پھسلے، جب انہوں نے دیکھا یا سُنا کہ انبیا نے اس جانب توجہ دلائی کہ ارواح ان برزخی صورتوں کی جانب چلی جاتیں ہیں، اور وہاں وہ اپنے اخلاق کی صورت پر ہوتی ہیں، اور جب انہوں نے یہ اخلاق حیوانات میں دیکھے: تو انبیا رسولوں اور علما کے اقوال کو اس دنیا والے جانوروں کی طرف لوٹا دیا، اور یہ خلاصی کی طرف لوٹے، اور تو ان کے مذہب کو جانتا ہے، انہوں نے اپنی تفکیر، رسولوں کے اقوال کی تاویل، اور آسمانی کتابوں کی تفسیر میں غلطی کھائی۔ (فتوحات مخطوط: جلد-۲۱، ص۸۷)

اسی طرح جلد-۱۱ باب نمبر ۲۷ میں فرماتے ہیں: اہل تناسخ اس کا معنی نہ سمجھ پائے، سو ان کے قدم ڈگمگائے، خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا، کہ اس معاملے میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے، تو حقیقت تک نہ پہنچ پائے، سو غلطی کھائی اور خطا کار ٹھہرے، یہ کافر نہیں ہاں وہ جو ان میں بعث یعنی اخروی نشات کا انکار کرے، تو وہ کافروں میں شامل ہے۔ (اصل بات یہ ہے کہ) اجسام کی تدبیر کرنے والی ارواح صورتوں کی طرح تبدیل نہیں ہوتیں، کیونکہ یہ اپنی یکتائی کے باعث تبدیلی قبول نہیں کرتیں، تبدیلی تو سواری قبول کرتی ہے جیسے، حسی اور برزخی اجساد و اجسام۔

[1] یعنی اہلِ عقل جب قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو اِس کے ظاہر سے اپنی عقل کے مطابق بات کرتے ہیں یوں تاویل میں بعض اوقات غلطی کھاتے ہیں۔ اور بعض اوقات آدھی ادھوری بات سمجھتے ہیں۔

پایا جو دوسرے نے سمجھی، جس میں محسوس اجسام کے حوالے سے محسوس حشر کا اثبات ہے، جس میں میزان، صراط، جنت، دوزخ سب حسی ہیں، یہ سب حق ہیں اور اس کے لیے عظیم قدرت درکار ہے۔[1]

علم طبیعہ سے استدلال:

علم طبیعہ میں طبیعی اجسام کا دو جہانوں میں نہ ختم ہونے والی مدت تک بقا، بلکہ وجود کا استمرار ہے۔ لوگوں نے طبیعہ کو صرف اتنا ہی جانا جتنا حق نے انہیں اِس پر مطلع کیا، جو مدت ان پر افلاک اور سات سیاروں کی حرکات سے ظاہر ہوئی، اسی لیے انہوں نے طبیعی عمر ایک سو بیس سال رکھی، جو کہ اسی حکم کا تقاضا ہے، لیکن اگر کوئی انسان اس مدت سے زائد جیئے تو وہ نامعلوم عمر میں جیتا ہے، حالانکہ یہ بھی طبیعہ سے ہوتی ہے، اور وہ اس سے باہر نہیں گیا، لیکن اس کی علم میں اتنی قوت نہیں کہ کسی بھی وقت اِس عمر کے حوالے سے پکا دعوی کر سکے۔ جیسا کہ طبیعی عمر میں سال دو سال زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، یہ بھی جائز ہے کہ وہ ہزاروں سال جیے اور یہ بھی جائز ہے کہ ہمیشہ جیے۔

شرع کا حکم:

اگر شریعت نے ہمیں اِس دنیا کے خاتمے کا نہ بتایا ہوتا، اور نہ یہ بتایا ہوتا کہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵) ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ہمیں دوبارہ جی اٹھنے اور دار آخرت کا علم نہ ہوتا، اور یہ نہ بتایا ہوتا کہ نشات آخرت میں

---

[1] یہاں یہ بات واضح ہے کہ شیخ اکبر حشر، میزان، صراط، جنت، دوزخ سب کے حسی ہونے کے قائل ہیں۔

قیام لامتناہی ہے ؛تو ہم یہ سب نہ جانتے، اور نہ ہی موت، قیامت، دوبارہ جی اٹھنے، اخروی نشات، جنت و نعمت، جہنم اور عذاب، محسوس کھانے پینے، جماع اور طبیعی لباس کی بات کرتے۔ پس اللہ کا علم وسیع اور کامل ہے۔ اسی طرح عقل و حس، معقول اور محسوس کو جوڑنا قدرت میں عظیم اور کمال الٰہی میں کامل ہے۔[1] تاکہ ممکنات کی ہر صنف میں اس سبحانہ کے لیے عالم غیب و شہادت کا حکم رہے، اور ہر صنف میں ظاہر اور باطن کے اسم کا حکم رہے۔

اگر تجھے توفیق ملی تو تُو یہ سمجھا، یہ بھی جان کہ وہ علم جو انبیا اور مومنین نے حق سے حاصل کیا، وہ اُس علم سے عمومی تعلق والا ہے جو بے تعلق لوگ فیض الٰہی کے بغیر اپنی عقل سے حاصل کرتے ہیں۔ پس اپنے خیر اندیش کو چاہیے کہ وہ معقول اور محسوس دونوں رخوں میں انبیا اور رسولوں کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ عقل کی ایسی کوئی دلیل نہیں جو شرائع کی جانب سے دوبارہ حسی اور معقول اٹھائے جانے کو ناممکن قرار دے، امکان کا حکم باقی ہے، اور مرجح بھی موجود ہے، سو یہ ناممکن کیسے ہو گیا؟[2] کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

---

[1] یہاں شیخ نے یہ دلیل دی کہ جو لوگ صرف معقول برزخی اور اخروی حیات کی بات کرتے ہیں تو قدرت الٰہی کو داغدار کرتے ہیں کیونکہ قدرت کاملہ کا کمال ہی اس میں ہے کہ وہ معقول اور محسوس کو جوڑے یعنی ایک کر دے۔

[2] امکان کا حکم باقی ہے یعنی اس بات کا امکان ہے کہ حسی حیات دوبارہ بھی ہو سکتی ہے، اور مرجح بھی موجود ہے یعنی حق تعالیٰ جس نے پہلی بار اسے ترجیح دی وہ اب بھی موجود ہے، سو یہ ناممکن کیسے ہو گیا کہ وہ اسے دوبارہ حسی حیات نہیں دے سکتا۔ یہاں بھی شیخ نے پھر دار آخرت کو غیر حسی کہنے والوں کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔

نجومی اور طبیب دونوں یہ سوچتے ہیں، کہ اجسام دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے، میں ان سے کہتا ہوں۔ اگر تمہارا قول درست ہے تو میرا کوئی نقصان نہیں، لیکن اگر میرا قول درست ہے تو تمہارا ہی نقصان ہے۔

اس کا یہ کہنا: "کہ تمہارا ہی نقصان ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس بات کے ظاہر پر ایمان نہ لائے جو رسولوں علیہم السلام نے بتائی، اور یہ کہنا: "کہ مجھے کوئی نقصان نہیں" تو اس لیے کہ میں بھی تمہاری طرح ان معنوی اور معقول امور پر بھی ایمان رکھتا ہوں، اور ایک زائد چیز پر بھی ایمان رکھتا ہوں جس پر تم ایمان نہیں رکھتے۔ اس کہنے والے کا اپنے شعر میں یہ کہنا: اگر تمہارا قول درست ہے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شک کرتا ہے، بلکہ اے مخاطب یہ اس نے تیرے مذہب کے حوالے سے کہا، اور ایسا اکثر کہا جاتا ہے۔ پس میری یہ بات سمجھ، اور خود پر ایمان ہی لازم کر، تو سعادت مندی میں فائدہ اٹھائے گا، ان شا اللہ تعالی۔[1]

بعث کی کیفیت؟

جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ جان کہ مومنین جو اس بارے میں حس اور محسوس کے قائل ہیں ان کا اختلاف دوبارہ اٹھائے جانے[2] کی کیفیت میں ہے۔ ان میں سے کچھ کا کہنا

---

[1] شیخ بار بار حسی آخرت کی بات کر رہے ہیں، ہر طرح کے دلائل سے یہ بتا رہے ہیں کہ موت کے بعد بھی حسی زندگی ہو گی یہ دنیا حسی زندگی کا اختتام نہیں۔

[2] حدیث قدسی میں آیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ابن آدم نے مجھے گالی دی، اور اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھے، اور ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میری بیوی اور بیٹا ہے، جبکہ میں الواحد الاحد ہوں نہ میری کوئی بیوی ہے

ہے کہ دوبارہ اٹھایا جانا بھی ویسے ہی ہو گا جیسے بنی آدم کی ابتدا ہوئی: اور یہ نکاح اور تناسل سے ہوا، مخلوق کی ابتدا مٹی سے ہوئی، پھر اس میں روح پھونکی گئی جیسا کہ آدم اور حوا کے معاملے میں پیش آیا، جبکہ عالم انسانی کے آخری فرد تک باقی اولاد نکاح اور جماع سے پیدا ہوئی۔ یہ سب ایک مختصر مدت میں آگے بھی ہو گا اس طرح سے جیسے حق تعالی مقدر کرے۔ یہ گمان شیخ ابو القاسم بن قسی کا ہے جو آپ نے اپنی کتاب خلع النعلین میں اللہ تعالی نے اس قول کی شرح میں لکھا: ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾ (الاعراف: ۲۹) جیسا کہ اس نے تمھیں اول تخلیق کیا ویسے ہی لوٹو گے۔ میں نہیں جانتا کہ آیا آپ کا یہی مذہب ہے[1]؟ یا یہ آپ نے اس بات کے قائل "خلف اللہ" کے قول کی شرح کی ہے، اور

نہ بیٹا۔ اور اس کا مجھے جھٹلانا یہ کہنا ہے: کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا کہ جیسے پہلے تخلیق کیا، جبکہ میرے لیے دوسری تخلیق پہلی سے آسان ہے۔ (قسم الٰہی از شیخ اکبر)

دوبارہ اٹھایا جانا یا نشات آخرت میں جانا کیسا ہو گا اس بارے میں شیخ نے فتوحات کے باب نمبر ۱۹۸ میں کلام کیا ہے، فرماتے ہیں: روز قیامت دوبارہ لوٹایا جانا صرف تدبیر کے حوالے سے ہے، بیشک نبی ﷺ نے دنیاوی نشات اور اخروی نشات کے مابین فرق کیا ہے، پس جو روح دنیاوی نشات کی تدبیر کرتی تھی اب وہ اخروی نشات کی تدبیر کی جانب لوٹ آئی، یہ حکم اور نسبت سے لوٹنا ہے، نہ کہ بعینہ اس شے کا لوٹنا جو فنا ہوئی۔...

اللہ کے رسول نے تو دنیاوی اور اخروی نشات، پھر اخروی نشات میں اہل سعادت اور اہل شقاوت کی نشات میں بھی فرق کیا ہے۔

[1] ابو القاسم ابن قسی کے اِس قول کا رد شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۸۶ میں یوں کرتے ہیں: دنیا امتزاج اور نطفہ امشاج کا گھر ہے، اسی لیے دنیا میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے یعنی گناہگاروں کے ساتھ بے گناہ بھی مارے جاتے ہیں۔ جب کہ آخرت ایسی

خلف اللہ امیین میں سے تھے۔

ان میں سے ایک اس مروی خبر سے کہتا ہے: "بیشک آسمان سے منی کے مشابہ بارش ہو گی جس سے زمین حاملہ ہو جائے گی اور اس سے نشات آخرت کی ولادت ہو گی۔" جہاں تک اللہ کا یہ کہنا ہے: ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾(الاعراف: ۲۹) جیسے اُس نے تمہیں پہلے تخلیق کیا ویسے ہی لوٹو گے۔ تو یہ اُس کا کہنا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ﴾(الواقعة: ۶۲) بیشک تم پہلی نشات کو جانتے ہو تو نصیحت کیوں نہیں پکڑتے۔ اور اُس کا کہنا: ﴿كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا﴾(الانبیا: ۱۰۴) جیسے ہم نے اول مخلوق کو تخلیق کیا اُسی طرح لوٹائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالی نے پہلی نشات کو بغیر کسی سابق مثال کے بنایا، اسی طرح اللہ تعالی نشات آخرت کو بھی بغیر کسی سابق مثال کے بنائے گا، اور یہ بھی بلا شک و شبہ محسوس ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل جنت و دوزخ کی نشات کے اوصاف کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ اِس دنیاوی نشات سے مختلف ہے، اس سے ہمیں پتا چلا کہ یہ کسی سابق مثال پر تخلیق کرنے کی جانب نہیں لوٹتا، اور قدرت کے لیے یہی عظیم ہے۔

اختراع اور ابتداع:

جہاں تک اُس کا یہ کہنا ہے: ﴿وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾(الروم: ۲۷) اور یہ اُس کے

نہیں، وہ امتیاز کا گھر ہے وہاں صرف مجرموں کو سزا ملے گی اگر نشات آخرت نطفہ امشاج سے ہوتی جیسا کہ ابن قسی وغیرہ کی رائے ہے تو وہاں بھی دنیا والا حساب ہوتا یعنی گناہگاروں کے ساتھ بے گناہ بھی مارے جاتے، اسی ایک اصل سے تو یہ سمجھ سکتا ہے کہ آخرت کی نشات کسی سابق مثال پر نہیں جیسے دنیاوی نشات کسی سابق مثال پر نہیں، اور یہ اللہ کا یہی کہنا ہے کہ تم پہلی نشات کو جانتے ہو تو اِس سے نصیحت کیوں نہیں پکڑتے۔

لیے آسان ہے۔ تو اس سے ہماری بات میں عیب نہیں لگتا، کیونکہ اگر پہلی نشات اختراع کا نتیجہ ہے؛ کہ اُس نے غور و فکر اور تدبر سے تخلیق بخشی، تو اس کا لوٹانا ایک دوسری تخلیق دینا ہے، جو اس سے قریب یا اس سے زائد ہو گی، یہ اس کے مزید اختراع اور استحضار کا سامان کرے گی جو اپنی فکر سے امور چلاتا ہے، جبکہ اللہ اس سے منزہ ہے اور یہ اس کے شایان شان نہیں۔ وہ عالم کو فائدہ دیتا ہے عالم سے کچھ نہیں لیتا، کسی شے کے بارے میں اس کا علم متجدد نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو علم کلی میں لامتناہی تفاصیل کا عالم ہے۔ اُس نے عین اجمال میں تفاصیل کو جانا، اور یہی اس کے جلال کے مطابق ہے۔

عجب الذنب کیا ہے؟

پس اللہ تعالی آخرت کی نشات کو "عَجَبِ الذّنَب" کی نشات پر بنائے گا، اور یہی شے اس نشات دنیا میں سے باقی بچے گی، جو کہ اس کی اصل ہے۔ اسی پر نشات آخرت کو بنایا جائے گا۔ ابو حامد الغزالی کی رائے ہے کہ حدیث میں آئے اس لفظ "عجب الذنب" سے مراد نفس ہے، اور اسی نفس پر نشات آخرت کو اٹھایا جائے گا۔ جبکہ آپ کے سوا دیگر جن میں ابو زید الرقراقی بھی شامل ہیں ان کا کہنا ہے: یہ وہ جوہر فرد ہے جو اس نشات دنیا میں سے باقی بچ جائے گا، یہ تبدیل نہ ہو گا اور اسی پر نشات آخرت اٹھائی جائے گی۔ یہ سب احتمالات ہیں جو اصولوں میں کوئی عیب نہیں لگاتے، بلکہ یہ سب عقلی توجیہات ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر توجیہ ہی مقصود ہو۔ لیکن مجھے جو کشف سے معلوم ہوا، اور جس میں میں شک نہیں کرتا تو "عجب الذنب" سے مراد وہ شے ہے جس پر نشات قائم ہوتی ہے، یہ شے گلتی سڑتی نہیں۔

اعیان فنا نہیں ہوتے:

پس جب اللہ نشات آخرت کو برابر کرنے کے بعد تخلیق کرے گا، اگرچہ یہ جواہر بمع اعیان ہوں گے، بیشک عدم سے وجود میں آنے والی ذوات کے اعیان ان کے وجود کے بعد ختم نہیں ہوتے، بلکہ امتزاجات کے باعث ان کی صورتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔[1] اور یہ امتزاجات جو انہیں یہ صورتیں بخشتے ہیں یہ تو اعراض ہیں، جو انہیں العزیز العلیم کی تقدیر سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب یہ صورتیں تیار ہو جاتی ہیں تو اُس سوکھی گھاس کی مانند ہوتی ہیں جو جلنے کے لیے تیار ہے، اور یہی ارواح میں قبول کرنے والی استعداد ہے، جیسے سوکھی گھاس خود میں شعلہ قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ برزخی صورتیں بھی انہی چراغوں کی مانند ہیں جو ان میں موجود ارواح سے روشن ہوتے ہیں: جب اسرافیل (عَلَیْہِ السَّلَام) ایک پھونک ماریں گے تو یہ پھونک ان برزخی صورتوں کو بجھا دے گی، اور دوسری پھونک اخروی نشات کے لیے تیار صورتوں کو جلا دے گی، سو ان کی ارواح روشن ہو جائیں گی ﴿فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾(الزمر: ۶۸) اور وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

اعیان کی صورتیں:

یہ صورتیں زندہ ہو کر وہ کلام کریں گیں جو اللہ ان سے کروائے گا، ان میں سے کوئی اللہ کی تعریف کرے گی، اور کوئی کہے گی: ﴿مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾(یس: ۵۲)

[1] یہاں شیخ اکبر یہ بتا رہے ہیں کہ نشات آخرت کو جب برابر کیا جائے گا تو یہ جواہر انہی اعیان سے ہوں گے، اور جب کوئی ذات عدم سے وجود کی جانب آتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی ثابت عین ختم ہو گئی۔ بلکہ یہ اعیان اپنی اصلی عدمی حالت پر باقی رہتی ہیں اور دوبارہ وجود پذیر ہونے پر امتزاج کے باعث دیگر صورتیں بھی قبول کرتیں ہیں۔

کس نے ہمیں ہماری خواب گاہوں سے جگایا؟ اور ایک کہے گی: "پاک ہے وہ جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا اور اسی کی جانب سب کو جانا ہے۔" ہر کوئی اپنے علم اور جو کچھ وہ دنیا میں کرتا تھا اُس کے حساب سے بات کرے گا، وہ اپنا برزخی حال بھول جائے گا۔ ایسے خیال کرے گا جیسے یہ کوئی خواب تھا، جیسے کوئی نیند سے جاگنے والا بات کرتا ہے۔ اور جب وہ مرا تھا، اور برزخ میں گیا تھا، تو وہاں جاگا تھا، اور دنیاوی زندگی اس کے لیے خواب کی مانند تھی۔

آخرت میں وہ دنیا اور برزخ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے گا کہ یہ معاملہ خواب در خواب تھا، اور اب وہ دار آخرت میں صحیح طرح سے جاگا ہے۔ اس حال میں وہ کہے گا: انسان دنیا میں خواب دیکھ رہا تھا، پھر موت کے بعد برزخ میں چلا گیا، یہ ویسا ہی ہے کہ کوئی خواب میں یہ دیکھے کہ وہ نیند سے جاگا ہے۔ پھر اس کے بعد دار آخرت میں وہ اس طرح سے جاگے گا کہ جس کے بعد نیند نہ ہوگی، یعنی اہل سعادت کے لیے اس کے بعد نیند نہ ہوگی۔ لیکن اہل دوزخ کے لیے ہوگی کہ اسی میں ان کی راحت ہے، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے: "لوگ نیند میں ہیں جب وہ مریں گے تو جاگیں گے۔" پس برزخ کے مقابلے میں دنیا نیند اور خواب ہے، بیشک برزخ امر حق سے قریب ہے، لہذا یہ جاگنا ہے۔ جبکہ برزخ نشات آخرت یعنی روز قیامت کے مقابلے میں نیند ہے، یہ جان۔[1]

[1] یہی شیخ کا موقف ہے: دنیا کی زندگی خواب کے اندر ایک خواب ہے، اور موت خواب میں اس خواب سے جاگنا ہے، پھر اخروی زندگی ہی اصل جاگنا ہے اور یہ اس لیے بھی کہ نشات آخرت میں اہل سعادت کے لیے نیند نہ ہوگی۔ یعنی وہ پوری طرح سے جاگ گئے جبکہ اہل



لوگوں کا اضطراب میں انبیا کے پاس جانا:

سو جب لوگ اٹھیں گے، اور زمین پھیلائی جائے گی، آسمان پھٹ پڑے گا، ستارے ٹوٹ جائیں گے، سورج لپیٹ لیا جائے گا، چاند بے نور ہو جائے گا، وحوش کو جمع کیا جائے گا، سمندر سلگائے جائیں گے، اور نفوس کو اُن کے بدنوں سے جوڑا جائے گا، چاروں اور فرشتوں کا نزول ہو گا، یعنی آسمانوں کے اطراف، اور ہمارا رب ﴿فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ (البقرة: ۲۱۰) بادل کے سایے میں آئے گا، تو ایک منادی کرنے والا پکارے گا: اے اہل سعادت! اور ان میں سے تین گروہوں کو اٹھائے گا جن کا ہم نے ذکر کیا، اور دوزخ سے ایک گردن نکلے گی، تو تین گروہوں کو اٹھائے گی جن کا ہم نے ذکر کیا۔ لوگ اضطراب کا شکار ہوں گے، گرمی کی شدت ہوگی، لوگ منہ تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے، بڑا عظیم اور جلیل معاملہ ہو گا، اس قدر خاموشی ہو گی ﴿فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ (طه: ۱۰۸) کہ سرگوشی بھی سنائی دے گی۔ پھر جہنم کو لایا جائے گا، اور جب لوگ کھڑے ہو ہو کر تھک جائیں گے اور یہ نہیں جان پائیں گے کہ حق کی منشا کیا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تو لوگ آپس میں بات کریں گے: کہیں گے آؤ ہم اپنے والد آدم کے پاس چلتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ وہ اللہ سے یہ سوال کریں کہ ہمیں اس عذاب سے نجات ملے، کہ ہم کھڑے ہو ہو کر تھک گئے ہیں۔ وہ آدم کے پاس آئیں گے اور ان سے یہ سب چاہیں گے۔ تو آدم کہیں گے: اللہ آج اس قدر غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہ ہوا اور نہ اس کے بعد اتنا غضب ناک ہو گا، پھر انہیں اپنی خطا

شقاوت کی نشات اہل دنیا کی نشات کے مشابہ ہے لہذا وہ جہنم میں دوبارہ سلا دیئے جائیں گے۔

یاد آ جائے گی تو وہ اپنے رب سے سوال کرنے سے شرم کریں گے۔ پھر نوح کے پاس جائیں گے، وہ بھی وہی کچھ کہیں گے جو آدم نے کہا، اور انہیں اپنی قوم کے حق میں بد دعا یاد آ جائے گی، آپ کا کہنا: ﴿وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا﴾ (نوح: ۲۷) کہ یہ صرف فاجروں اور کافروں کو ہی جنم دیں گے۔ آپ کے مواخذے کا مقام یہ کہنا ہے: ﴿وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا﴾ (نوح: ۲۷) یہ صرف فاجروں اور کافروں کو جنم دیں گے، باقی بد دعا نہیں۔ پھر وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے بھی وہی کہیں گے جو پہلوں سے کہا، آپ بھی وہی بات کریں گے جو پہلوں نے کی، آپ کو اپنے تین جھوٹ یاد آ جائیں گے۔ پھر وہ موسی اور عیسی کے پاس آئیں گے، اور ہر رسول سے وہی کچھ کہیں گے جو آدم سے کہا، تو یہ سب انہیں آدم والا جواب ہی دیں گے۔"

پھر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور آپ روز قیامت لوگوں کے سردار ہوں گے، آپ کے سامنے بھی وہی سب دہرائیں گے جو انبیا علیہم السلام کے سامنے کہا، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے: "یہ سوال میرے لیے ہے" اور یہ وہی مقام محمود ہے جس کا اللہ نے مجھ سے روز قیامت وعدہ کیا۔ آپ آئیں گے اور سجدے میں گر جائیں گے، اس وقت اللہ کی وہ تعریف کریں گے جو اللہ اسی وقت آپ کے دل میں ڈالے گا، اور آپ اس سے پہلے اسے نہیں جانتے ہوں گے۔ پھر آپ اپنے رب سے یہ درخواست کریں گے کہ مخلوق کی شفاعت کا دروازہ کھولا جائے۔ پھر اللہ یہ دروازہ کھولے گا: فرشتوں، رسولوں، انبیا اور مومنین کو شفاعت کی اجازت ملے گی۔ اسی لیے آپ روز قیامت لوگوں کے سردار ہوں گے؛ کیونکہ آپ نے اللہ سے درخواست کی کہ فرشتوں اور رسولوں کی شفاعت قبول کی جائے۔[1]

[1] اس سے ملتا جلتا مسند احمد بن حنبل میں عبد اللہ بن عباس کی روایت سے درج ہے۔

اس کے باوجود آپ نے ادب کا اظہار کیا اور کہا: "میں لوگوں کا سردار ہوں" یہ نہیں کہا: تمام مخلوق کا سردار ہوں، کہ اس میں فرشتے بھی آتے ہیں حالانکہ اس روز آپ کی قدر و منزلت سب پر عیاں ہو گی، وہ اس لیے کہ آپ کے لیے تمام انبیا علیہم السلام کے مقامات جمع کیے گئے لیکن آپ فرشتوں پر ویسے ظاہر نہ ہوئے جیسے حضرت آدم ظاہر ہوئے کہ انہیں تمام اسما کا علم سکھایا گیا۔ سو اس روز ہر کوئی در شفاعت کے کھلنے میں آپ کا محتاج ہو گا؛ فرشتے بھی اور لوگ بھی، آدم سے لے کر نیچے ہر ایک، اور سب پر ظاہر ہو گا کہ اللہ کے نزدیک آپ کی کیا قدر و منزلت ہے؛ کیونکہ قہر الٰہی اور جبروت اعظم نے ہر ایک کو گنگ کیا ہو گا۔ یہ مقام آدم کے مقام جیسا ہے بلکہ اس سے بھی بڑا ہے کہ اس روز اس کی سب سے بڑھ کر حاجت ہے، جیسا کہ بتایا گیا کہ اس روز حق شدید غضب الٰہی کی صورت میں ظاہر ہو گا، جبکہ وہ اس صفت سے مسئلہ آدم کے وقت ظاہر نہ ہوا۔ اس سے یہ پتا چلا کہ آپ کی شان سب سے بڑھ کر ہے، کہ آپ غضب الٰہی کی اس صفت کے باوجود مخلوق کے سوال پر حق سے بات کرنے گئے۔

حق تعالیٰ کا مختلف صورتوں میں آنا:

اور حق نے آپ کو جواب دیا، لہذا ترازو لٹکائے گئے اور صحیفے پھیلائے گئے، پُل صراط رکھے گئے اور شفاعت شروع ہوئی۔ سب سے پہلے فرشتے شفاعت کریں گے، پھر انبیا، پھر مومنین اور آخر میں ارحم الرحمین باقی رہ جائے گا۔ یہاں بڑی تفصیل ہے جس سے بات لمبی ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ ایک عظیم مقام ہے۔ البتہ حق اس روز ایک ایسی صورت میں بھی آئے گا اور کہے گا: "ہر امت اس کے پیچھے ہو جائے جس کی عبادت کرتی تھی۔" یہاں تک کہ یہ امت اپنے منافقوں کے ساتھ رہ جائے گی۔ پھر حق تعالیٰ ان کے سامنے اُس صورت سے ایک ادنی صورت میں آئے گا جس میں اس سے پہلے

آیا، اور کہے گا: "میں تمہارا رب ہوں" پس وہ کہیں گے: "تجھ سے اللہ کی پناہ، ہم یہیں انتظار کر رہے ہیں جب تک کہ ہمارا رب نہ آ جائے۔" پھر وہ جل و تعالی ان سے کہے گا: کیا تم اسے کسی نشانی سے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ پھر وہ اس صورت میں تبدیل ہو کر آئے گا جسے وہ اس نشانی سے جانتے ہوں گے، تو وہ کہیں گے: تو ہی ہمارا رب ہے۔[1]

---

[1] یہ بڑی کمال حدیث ہے جس کا شیخ اکبر نے فتوحات اور دیگر کتب میں بار بار ذکر کیا ہے، اور بتایا ہے کہ کیسے اہل اسلام حق کی ایک صورت کا اقرار کریں گے اور حق کی دوسری صورت کا انکار کریں گے۔ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ جلد اول میں یہ تفصیل اس اسلوب میں بیان کی ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

کیا تو نے غور نہیں کیا، روز قیامت جب میں اُن کے سامنے ایسی صورت اور علامت سے آؤں گا جسے وہ پہچانتے نہیں ہوں گے تو میری ربوبیت کا انکار کریں گے، اس صورت سے اُسی کی پناہ چاہیں گے جو اُس میں آیا، لیکن انہیں خبر نہیں کہ اِس میں کون آیا۔ وہ اِس جلوہ آرا سے کہیں گے: تجھ سے اللہ کی پناہ، ہم تو یہیں اپنے رب کے منتظر ہیں۔ پھر میں اُن کے سامنے اُس صورت پر آؤں گا جسے وہ جانتے ہوں گے، چنانچہ وہ میری ربوبیت اور اپنی عبودیت کا اقرار کریں گے۔ وہ تو اپنی علامت کے پجاری ہیں اور اُسی صورت کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اُن کے ہاں ثابت ہے۔

اُن میں سے جو یہ بولا کہ اُس نے میری عبادت کی! تو اُس نے جھوٹ بولا اور مجھ پر تہمت لگائی، اُس کی یہ بات کیسے درست مان لی جائے، کہ جب میں اُس کے سامنے آیا تو اُس نے انکار کیا۔ جس نے مجھے ایک صورت کو چھوڑ کر دوسری صورت میں قید کیا تو اُس نے اپنے تخیّل کی پرستش کی؛ یہ (تخیّل) اُس کے قلب میں نہاں ممکن حقیقت ہے۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ میرا عبادت گزار ہے جبکہ وہ تو میرا منکر ہے۔

سو وہ اِنہیں سجدے کا حکم دے گا، اَب جو کوئی اللہ کو سجدہ کرتا ہو گا وہ سجدہ کرے گا۔ اور جو کوئی اپنی جان بچانے کے لیے ریاکاری سے سجدہ کرتا ہو گا، اللہ اس کی پشت کو تانبے کی بنا دے گا، وہ جب بھی سجدہ کرنا چاہے گا پیٹھ کے بل گر پڑے گا، یہ اس کا کہنا ہے: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ... وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ﴾ (القلم: ۴۲-۴۳) جس روز معاملہ کھلے گا، اور انہیں سجدے کا کہا جائے گا تو یہ ایسا نہ کر پائیں گے ... حالانکہ پہلے جب ٹھیک تھے تو سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے۔ یہاں معاملہ کھلنے سے مراد؛ احوال قیامت میں سے کسی عظیم امر کا ہونا ہے۔ عرب کہتے ہیں: جنگ نے اپنی پنڈلی سے پردہ ہٹایا، یعنی جنگ شدید ہو گئی اور بات بڑھ گئی۔ اسی طرح ﴿وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾ (القیامہ: ۲۹) جب پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔ یعنی جب بڑے بڑے خوف ناک معاملات ظاہر ہوں گے۔

شفاعت:

سو جب شفاعت واقع ہو گی، اور دوزخ میں کوئی شرعی مومن اصلاً باقی نہیں رہے گا، اور نہ وہ جس نے کوئی مشروع عمل اِس حیثیت میں کیا کہ یہ نبی کی زبانی مشروع

جہاں تک عارفین کی بات ہے تو میں اُن کی نظروں اور ان کے قلوب سے کیسے چھپ سکتا ہوں؛ کہ وہ مخلوق سے چھپے ہیں۔ ان کے سامنے میرے سوا کوئی ظاہر نہ ہوا، ان کے نزدیک یہ موجودات میرے اسما کے سوا کیا ہیں۔ ہر وہ شے جو اُن پر ظاہر ہوئی یا اُن کے سامنے آئی تو انہوں نے یہی کہا: تو نہایت پاک اور اعلی ہے، لہذا سب برابر نہیں۔ لوگ غیبیت اور شہود میں ہیں، جبکہ عارفین کے نزدیک یہ دونوں (غیبیت اور شہود) برابر ہیں۔

تھا، چاہے وہ رائی کے دانے کے برابر یا اِس سے کم ہی کیوں نہ ہو، تو ایسا شخص انبیا اور مومنین کی شفاعت سے دوزخ سے نجات پائے گا۔[1] اب صرف وہ اہل توحید باقی بچیں گے؛ جنہوں نے عقلی دلائل سے توحید کو جانا، وہ جنہوں نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا، وہ جو شرعی ایمان بھی نہ لائے، اور نہ ہی کوئی خیر کا عمل کیا، یعنی انبیا میں سے کسی نبی کی اتباع میں ایسا نہ کیا، اِن کے پاس تو ایمان کا ایک ذرہ بھی نہ ہو گا، پھر ارحم الراحمین انہیں باہر نکالے گا، اور انہوں نے کوئی نیکی نہ کی ہو گی، یعنی وہ نیکی جو کسی شرع نے مشروع کی، ایمان سے بڑھ کر کیا نیکی ہو سکتی ہے، اور وہ تو ایمان ہی نہ لائے۔[2]

صحیح مسلم میں یہ حدیث عثمان بن عفان کی روایت سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کی موت اِس علم پر ہوئی، آپ نے یہ نہیں کہا: اس ایمان پر ہوئی:" کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں وہ جنت میں جائے گا۔" یہاں آپ نے قول کی بات بھی نہ کی بلکہ صرف علم کا کہا۔ تو ان لوگوں کو دوزخ میں بھی اللہ کی عنایت ملے گی، کیونکہ دوزخ

---

[1] یہاں شیخ اکبر یہ بتا رہے ہیں کہ جو شخص انبیا اور رسولوں پر ایمان لایا اور پھر ان کے کہنے پر شریعت کی مطابق کچھ نیک اعمال کیے تو ایسا شخص انبیا اور مومنین کی شفاعت سے جہنم سے نجات پائے گا۔ چونکہ وہ اہل ایمان میں سے تھا تو اسے انبیا کی شفاعت نصیب ہوئی۔

[2] شیخ اکبر یہ بتا رہے ہیں کہ الرحم الراحمین کی شفاعت آخر میں ان کے کام آئے گی جو عقلی دلائل سے توحید الٰہی تک پہنچے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرک سے برات کا اظہار کیا، لیکن یہ کسی نبی پر ایمان بھی نہ لائے۔ اب چونکہ ایمان نہ لائے لہذا شریعت پر عمل نہ کیا اور ان کے پاس کوئی ایسی نیکی بھی نہ تھی جو صاحب شریعت نے بتائی۔ ایسے عقلی توحید کے قائل لوگوں کو بھی دار آخرت میں بالآخر سعادت مل جائے گی اور وہ الرحم الراحمین کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔

خود کسی توحیدی کو ہمیشہ نہیں رکھ سکتی، چاہے یہ کسی رخ کا ہو۔ اس کا کامل ترین رخ علم سے ایمان ہے؛ کہ علم اور ایمان کو جمع کیا۔[1]

ابلیس کیونکر بدبخت ہوا؟

اگر تو کہے: ابلیس بھی تو یہ جانتا ہے کہ اللہ واحد ہے، ہم کہیں گے تو نے سچ کہا، لیکن اُسی نے تو شرک کو رائج کیا۔ پس مشرکین کا گناہ بھی اسی کے سر ہے، اور ان کا گناہ یہ ہے کہ وہ دوزخ سے باہر نہیں آئیں گے۔ یہ اس صورت میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ توحید پر مرا، اور تجھے کیا پتا شاید وہ شرک پر ہی مرا ہو، اس شبہے کے باعث جو اسے اپنی عقل استعمال کرنے سے لاحق ہوا۔ اس مسئلے میں گزشتہ ابواب میں پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔[2] پس ابلیس دوزخ سے نہیں نکلے گا، اور اللہ جانتا ہے ایسا کیسے ہو گا۔

---

[1] صحیح مسلم کی یہ حدیث اس طرح سے ہے: حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کی موت اس علم پر ہوئی کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں وہ جنت میں جائے گا۔ شیخ اکبر نے حدیث کے الفاظ پر غور کیا ہے اور بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں علم کی بات کی ہے ایمان کی نہیں۔ لہذا توحید کا علم بھی جنت تک پہنچانے والا علم ہے۔ اور توحید پر ایمان تو ہے ہی سعادت کا باعث، البتہ اس میں کامل ترین درجہ علم اور ایمان کو جمع کرنے والے کا ہے۔

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اِس کا گناہ ابدی شقاوت کا متقاضی نہ تھا؛ کیونکہ اس نے شرک تو نہیں کیا، بلکہ اس بات پر فخر کا اظہار کیا جس پر اللہ نے اسے تخلیق کیا، اس نے اسے شقی لکھا۔ جبکہ دار شقاوت اہل شرک سے مخصوص ہے۔ لہذا اللہ نے اسے زمین پر اتارا تاکہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر شرک کی بیناد رکھی۔ اور جب وہ شرک کریں اور ابلیس مشرک اور شرک سے بیزاری کا اظہار کرے تو یہ بیزاری اس کے کام نہ آئے۔

کیونکہ اسی کے کہنے پر تو اس شخص نے کفر کیا جیسا کہ اللہ تعالی نے بتایا ہے۔ چنانچہ عالم کے ہر مشرک کا بوجھ اسی کی طرف لوٹ آیا، حالانکہ وہ خود موحد ہے۔ کیونکہ "جس کسی نے برا طریقہ رائج کیا تو اسے اِس کا گناہ بھی ہو گا اور ان سب کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔"

بیشک طبیعی شخص جیسے ابلیس یا ابنِ آدم، لازما اپنے دل میں اس مثال کا تصور کرتا ہے جسے وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ لہذا جب اس نے شرک کا طریقہ بنایا تو لازما یہ پہلے اپنے دل میں تصور کیا، اور ایسا اس صورت پر کیا جو مشرک کے دل میں ہوتی ہے، یوں اس سے توحید کی صورت زائل ہوئی۔ جب اُس نے اپنے دل میں اِسے اِس طرح سے تصور کیا تو لازما اُس کے دل سے توحید کا تصور بھی خارج ہو گیا۔ کیونکہ اس کے دل میں حق کے ساتھ اس شریک کا تصور قائم ہوا جسے اس نے سوچا، میرا مطلب ہے اس کے وجود کا علم رکھا۔ لہذا صرف توحید کو ترک ہی نہ کیا بلکہ شرک کو بھی دل میں جگہ دی۔ یوں ابلیس بغیر کسی شک اور شبہے کے اپنے دل میں مشرک ٹھہرا۔ یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے دل میں اس شریک کی صورت کو باقی رکھے، تاکہ مشرکین اس سے ہر لحظہ مدد طلب کریں، کیونکہ وہ ان کے حق میں بھی تو ڈرتا ہے کہیں شرک چھوڑ کر اللہ کی توحید پر آ کر سعادت مند نہ ہو جائیں۔ لہذا ابلیس اپنے دل میں شریک کی اس صورت کی ہمیشہ حفاظت کرتا ہے، اور مشرکین کے دلوں میں بھی اسے دیکھتا رہتا ہے، جو مشرک اس وقت مشرق، مغرب، شمال اور جنوب میں ہوتے ہیں۔ اور اسی سے تو وہ ان موحدین کا رد کرتا ہے جنہیں وہ شرک کی طرف لانا چاہتا ہے اور جو ابھی مشرک نہیں۔

لہذا ابلیس کبھی شرک سے جدا نہیں، اور اسی لیے اللہ نے اسے بدبخت قرار دیا۔ کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی توحید کا تصور نہیں کر سکتا، کیونکہ صفت شرک اس کے ساتھ لازم ہے اور وہ مشرک کے دل میں اس کی بقا کا حریص ہے۔ کیونکہ اگر یہ صورت دل سے مٹ جائے تو مشرک اپنے دل میں شرک کو کس شے سے جوڑے گا یوں شرک بھی مٹ جائے گا۔ اور

قیامت کے ٹھکانے:

یہاں بہت سے علوم ہیں جن کا ذکر طویل ہے اور یہ ہمیں ہمارے مقصد یعنی اختصار سے ہٹا دے گا۔ لیکن اس کے باوجود یہ لازم ہے کہ میں قیامت کے ٹھکانوں میں سے مشہور ٹھکانوں کے بارے میں مختصراً کچھ ذکر کروں، جیسے: عرض، اعمال ناموں کا پکڑنا، میزان، صراط، اعراف، موت کا ذبح ہونا، میدان جنت میں عظیم دعوت۔ یہ سات مقامات ہیں، ان سے زائد نہیں، اور یہی دوزخ کے سات دروازوں اور جنت کے سات دروازوں کی امہات ہیں۔ کیونکہ آٹھواں دروازہ دیدار کی جنت کا ہے، اور جہنم میں یہ دروازہ بند ہے؛ یہ درِ حجاب ہے جو کبھی نہیں کھلتا، کیونکہ اہل دوزخ اپنے رب سے محجوب ہیں۔

پہلا مقام؛ عرض

یہ جان کہ ایک حدیث میں آیا ہے: رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالی کے اِس قول کے بارے میں پوچھا گیا: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾(الانشقاق: ۸) تو عنقریب اس کا آسان حساب کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ عرض ہے، جس سے حساب ہوا تو وہ پکڑا گیا۔[1]" یہ یعنی اعمال کا پیش کیے جانا فوجی نمائش کی مانند

ابلیس بھی شریک کا تصور نہ کر پائے گا، کیونکہ اس کے دل سے شریک کی صورت مٹ گئی، اور اسے خبر نہیں ہو گی کہ یہ مشرک اپنے شرک سے ہٹ گیا۔ یہ سب کچھ بتاتا ہے کہ شریک ہمیشہ ابلیس کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ اللہ کا سب سے پہلا مشرک ہے، اسی نے سب سے پہلے شرک کا رواج ڈالا، اور وہ دو جہانوں کا بدبخت ہے۔ اسی لیے وہ رحمت احسانی کا متمنی ہے۔

[1] یہ حدیث صحیح بخاری سمیت دیگر صحاح ستہ میں موجود ہے۔

ہے، یہ اہل موقف کا شعار ہو گا، اللہ تو بادشاہ ہے اور مجرم تو اپنے چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے، جیسا کہ یہاں فوجی اپنی وردیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔

دوسرا مقام: اعمال نامے

وہ متعال فرماتا ہے: ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ (الاسراء: ۱۴) اپنی کتاب پڑھ، آج اپنا حساب لینے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔ اور فرمایا: ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ﴾ (الإنشقاق: ۷) سو جسے اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملا تو وہ سعادت مند مومن ہو گا ﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ﴾ (الحاقة: ۲۵) اور جسے اُس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملا، تو وہ منافق ہو گا، کیونکہ کافر کا کوئی اعمال نامہ نہیں۔ منافق کا ایمان سلب کیا گیا، لیکن اس کا اسلام باقی رہا، منافق کے بارے میں کہا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾ (الحاقة: ۳۳) وہ اللہ العظیم پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں ملحد، مشرک اور اللہ پر متکبر بھی شامل ہے، اور اسلام کا نہ کہا گیا۔ بیشک منافق ظاہری طور پر سر تسلیم خم کرتا ہے تا کہ وہ اپنے مال، اہل و عیال اور اپنی جان بچا سکے، لیکن اندر سے وہ انہی تین گروہوں میں سے ایک ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا: "یہ آیت تین کو شامل کیے ہے" کیونکہ اس کا کہنا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾ (الحاقة: ۳۳) وہ اللہ العظیم پر ایمان نہیں رکھتا؛ یعنی اللہ کی تصدیق نہیں کرتا، اور اللہ کی تصدیق نہ کرنے والے وہ دو گروہ ہیں: ایک وہ گروہ جو اللہ کے وجود کو ہی نہیں مانتا؛ یہ ملحد ہیں۔ اور دوسرا وہ گروہ جو اللہ کی توحید کو نہیں مانتا؛ اور یہ مشرک ہیں، اس آیت میں اس کے قول ﴿الْعَظِيْمِ﴾ میں اللہ پر تکبر کرنے والا آتا ہے؛ کیونکہ اگر یہ اللہ کی عظمت مان جائے، جس کا اصل حق دار مسمی اللہ ہے، تو اس پر تکبر نہ کرے۔ یہ تین گروہ اور یہ منافق جو ان سے ایک خصوصی وصف سے

متمیز ہے؛ یہی اہل دوزخ ہیں جو اِس میں رہیں گے۔

﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ﴾(الانشقاق: ۱۰) اور جسے اُس کی کتاب اُس کی پیٹھ پیچھے ملی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی اور انہوں نے اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیا، اور اِس کے بدلے تھوڑی سی رقم لے لی۔ چنانچہ روز قیامت اسے کہا جائے گا: "اب اِسے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے پکڑ۔" یعنی اس جگہ سے جہاں تونے اسے اپنی دنیاوی زندگی میں پھینک دیا تھا، یہ وہی کتاب تھی جو ان پر نازل ہوئی، ان کا اعمال نامہ نہیں۔ جب اس نے اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیا تو﴿ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ﴾(الإنشقاق: ۱۴) یہ گمان کیا کہ اب دوبارہ اس کا سامنا نہیں ہو گا؛ یعنی یقین کیا۔ شاعر کہتا ہے:

فقلت لهم ظنوا بألفي مدجج

میں نے ان سے کہا: کہ یہ یقین رکھو۔

یعنی انہیں یقین کا بتایا۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے: اللہ روز قیامت اُسے کہے گا: "کیا تو ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟" اور اس متعال کا فرمانا: ﴿وَ ذٰلِکُمْ ظَنُّکُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ اَرْدٰکُمْ﴾(حم السجدة: ۲۳) اور تمہارے اِس گمان نے جو تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا تمہیں ہلاک کر دیا۔[1]

تیسرا مقام: ترازو

ترازو اعمال کے وزن کے لیے رکھے جائیں گے، اور اِس میں ان کے اعمال

[1] یہاں شیخ اکبر نے یہ بتایا ہے کہ اس آیت میں عربی لفظ "ظن" کا مطلب یقین ہے، آپ نے عربی شعر سے اس کا حوالہ دیا اور پھر ایک حدیث اور قرآنی آیت سے اس جانب توجہ دلائی۔ مراد یہ ہے کہ عربی زبان میں یقین کے لیے ظن کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کا عام مطلب گمان ہوتا ہے۔

نامے رکھے جائیں گے۔ ترازو میں سب سے آخر میں انسان کا قول "الحمد للہ" رکھا جائے گا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الحمد للہ" ترازو کو بھر دے گا۔[1] ترازو میں بندے کی ہر نیکی رکھی جائے گی سوائے کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے۔ اور سب نیکیوں کے بعد بھی جو جگہ رہ جائے گی وہ الحمد للہ سے پُر ہو گی۔ کیونکہ ہر کسی کے میزان کا پلڑا کسی کمی اور زیادتی کے بغیر اُس کے عمل کے حساب سے ہو گا، ہر ذکر اور عمل میزان میں داخل ہو گا، ماسوائے کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے، جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عمل خیر کے مقابل اس کا الٹ عمل شر ہے۔ اور اس خیر کا اس شر سے موازنہ کیا جائے گا۔ جبکہ "لا الہ الا اللہ" کا مقابل صرف شرک ہے، اب توحید اور شرک کسی ایک ترازو میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اگر اُس نے "لا الہ الا اللہ" کہا، اور یہی اُس کا عقیدہ تھا تو اُس نے شرک نہ کیا، اور اگر شرک کیا تو "لا الہ الا اللہ" پر ایمان نہ رکھا۔ چونکہ ان دونوں کا ایک ساتھ ہونا درست نہیں۔ اسی لیے کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے مقابلے میں کوئی دوسرا کلمہ نہ ہو گا۔ اور نہ ہی کوئی شے اسے جھکا سکے گی۔ اسی لیے یہ میزان میں نہیں تولا جائے گا۔

جہاں تک مشرکین کی بات ہے: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکھف: ۱۰۵) تو روز قیامت ہم ان کے اعمال کا وزن نہیں کریں گے؛ یعنی ان کی قدر نہیں ہو گی، اور نہ ان کے عمل کا وزن کیا جائے گا۔ اور نہ اُن کا جو اِن جیسا ہے: مثلاً جس نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، اس کی آیات کا انکار کیا۔ بیشک مشرک کے اچھے اعمال تو ضائع ہو گئے، سو اس کے برے اعمال کو کس چیز سے تولا جائے۔ ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ

---

[1] یہ صحیح مسلم کی حدیث کا ایک جزو ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: صفائی نصف ایمان ہے، اور الحمد اللہ میزان کو بھرتا ہے، سبحان اللہ اور الحمد اللہ زمین و آسمان کو بھرتے ہیں...

﴿الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکھف: ۱۰۵) لہذا روز قیامت ہم اس کے اعمال کو نہیں تولیں گے۔

جہاں تک بُرے اعمال کے پلندوں والے شخص کی بات ہے، تو یہ ایسا شخص ہو گا جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہو گی، ہاں ایک روز اس نے کلمہ "لا الہ الا اللہ" اخلاص سے پڑھا ہو گا۔ سو یہ کلمہ بُرے اعمال کے ننانوے پلندوں کے مقابل رکھ دیا جائے گا؛ ان میں سے ہر پلندے میں اتنا فاصلہ ہو گا جتنا مشرق اور مغرب میں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے پاس اِس نیکی کے سوا کوئی نیکی نہ ہو گی۔ سو یہ کلمہ بھاری پڑ جائے گا اور اس کے اعمال نامے ہلکے پڑ جائیں گے، اور وہ اس پر تعجب کا اظہار کرے گا۔ ترازو میں صرف اعضا یعنی سماعت، بصارت، زبان، ہاتھ، پیٹ، شرمگاہ اور ٹانگ کے اچھے برے اعمال تولے جائیں گے۔ جہاں تک باطنی اعمال کا تعلق ہے تو وہ حسی ترازو میں نہیں تولے جائیں گے۔ ہاں ان میں عدل کیا جائے گا جو کہ معنوی اور حکمتی ترازو ہے؛ حسی حسی کے لیے اور معنوی معنوی کے لیے، ہر شے اپنی جیسی شے کے مقابل ہو گی۔ اسی لیے اعمال کو اس حیثیت میں تولا جائے گا جیسے یہ لکھے ہوتے ہیں۔

چوتھا مقام: صراط

یہ وہ مشروع صراط[1] ہے جو دنیا میں معنوی طور پر ہے اور وہاں (آخرت میں) حسی طور پر نصب کیا جائے گا، اللہ ہم سے فرماتا ہے: ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (الانعام: ۱۵۳) اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اس کی پیروی کرو اور دیگر راستوں پر مت چلو کہیں وہ تمھیں اس کی راہ سے دور نہ کر دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو آپ نے ایک لکیر

---

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں متعدد صراطوں کا ذکر کیا ہے: ان میں صراط مستقیم، صراط اللہ، صراط العزیز، صراط الرب، صراط محمد، صراط النعم اور صراط الذین انعمت علیہم وغیرہ ہیں۔

کھینچی اور اس کے دونوں جانب اس طرح سے لکیریں کھینچی:



یہ صراطِ توحید ہے، اس کے لوازمات اور حقوق۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں، اگر وہ یہ کہہ دیں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اپنے اموال بچا لیں گے، ماسوائے وہ جو کہ اسلام کا حق ہے، اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ آپ کے اس قول کہ ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے کا مطلب ہے، کہ انہوں نے یہ کلمہ صدق دل سے پڑھا ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہی ہے۔

مشرک نے صراطِ توحید پر قدم نہ رکھا، اس کا قدم صراطِ وجود پر ہے۔ جبکہ ملحد نے صراطِ وجود پر قدم نہ رکھا۔[1] مشرک نے یہاں اللہ کو ایک نہ جانا، لہذا وہ حشر سے لے کر دوزخ تک ملحدین کے ساتھ ہو گا۔ اسی طرح اہل دوزخ میں سے وہ لوگ جو اس کے اہل ہیں ماسوائے منافقین، تو یہ بھی لازم ہے کہ وہ جنت اور اس کی نعمتوں کو بھی دیکھیں، ان کی طمع رکھیں۔ یہی جنت کی نعمتوں میں ان کا نصیب ہے۔ پھر انہیں دوزخ کی طرف موڑا جائے گا، یہ اللہ کا عدل ہے سو اعمال سے ان کا موازنہ کیا گیا۔

اب وہ گروہ کہ جس کا دائمی ٹھکانہ دوزخ نہیں، انہیں روک لیا جائے گا اور پُلِ صراط پر ہی ان سے سوال جواب اور عذاب ہو گا؛ پُلِ صراط جہنم کے اوپر جہنم میں

---

[1] مشرک نے صراط توحید پر قدم نہ رکھا کیونکہ اس نے شرک کیا لہذا جب شرک کیا تو توحید کی نفی ہوئی، مشرک کا قدم صراط وجود پر ہے۔ یعنی وہ اللہ کے وجود کا اقرار کرتا ہے اور پھر اس کے ساتھ شرک کرتا ہے، جبکہ ملحد نے صراط وجود پر بھی قدم نہ رکھا کیونکہ اس نے تو اللہ کے وجود کا ہی انکار کر دیا۔

غائب ایک پُل ہے۔ اللہ اس پل کے کانٹوں کے ذریعے انہیں پکڑے گا۔ چونکہ یہ پل جہنم پر ہے، اور جنت کا راستہ اسی سے گزر کر جاتا ہے تو اس متعال نے فرمایا: ﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ (مریم: ۷۱) اور تم میں سے ہر ایک وہاں سے گزرے گا، یہ تیرے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔ جو اس بات کا مطلب جان گیا تو وہ جہنم کی اِس جگہ کو بھی جان گیا کہ وہ کیا ہے؟ اگر نبی ﷺ نے اس کا جواب دیا ہوتا کہ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو میں بھی بتاتا اور خاموش نہ رہتا، لیکن آپ نے حکم الٰہی سے اسے جواب میں کہا: یہ اللہ ہی جانتا ہے، ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (النجم: ۳) اور آپ اپنی خواہش سے بولتے تک نہیں۔ یہ دنیا کے معاملات میں سے بھی نہیں، لہذا اِس پر خاموشی اختیار کرنا ہی ادب ہے۔[1]

پُل صراط کی صفت کے بارے میں آیا ہے کہ یہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ دنیا میں علم شریعت بھی ایسا ہی ہے، کہ کسی مسئلے میں اللہ کے نزدیک حق کا رخ نہیں جانا جاتا، اور نہ یہ پتا چلتا ہے کہ مجتہدین میں مصیب کون ہے۔[2] اسی لیے ہمیں دلیل کی طلب میں حتی الامکان کوشش کر لینے کے بعد بھی غلبہ ظن سے عبادت کا حکم دیا گیا، نہ تو متواتر اور نہ ہی صحیح خبرِ واحد درست حکم الٰہی کا پتا دیتی ہے۔ متواتر

---

[1] یعنی نبی کریم ﷺ نے اس پوچھنے والے کے اس قول کا جواب نہ دیا بس اتنا کہا کہ یہ سب اللہ ہی جانتا ہے۔ لہذا شیخ اکبر نے بھی اس بارے میں مزید کچھ نہ بتایا؛ کیونکہ آپ اتنا ہی بتاتے ہیں جس کی اصل قرآن و حدیث میں پاتے ہیں۔

[2] یعنی دین کے ایک مسئلے میں بہت سے لوگ جب اجتہاد کرتے ہیں اور متضاد آرا پیش کرتے ہیں تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ ان میں سے کس نے حق کے رخ کو پایا اور کون درست امر الٰہی تک نہ پہنچا لہذا غلبہ ظن سے عبادت کا حکم ہے، کیونکہ یقینی حکم الٰہی تک پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا۔

اگرچہ علم تو دیتی ہے، لیکن تواتر سے حاصل شدہ علم تو بعینہ لفظ کا علم ہے، یا یہ علم کہ رسول اللہ ﷺ نے بعینہ یہ کہا یا یہ کیا گیا۔ علم سے ہمارا مطلوب؛ اس قول اور عمل کی فہم ہے تاکہ ہم اس مسئلے میں قطعی حکم لگائیں۔ اور اِس تک صرف صریح متواتر نص سے ہی پہنچا جاتا ہے۔ اور ایسی نص شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔[1] جیسے اللہ تعالی کا کہنا: ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ (البقرۃ: ۱۹۶) یہ ہوئے پورے دس دن۔ اس بارے میں کہ یہ دس دن ہی ہیں۔ پس دنیا میں شریعت کا حکم تلوار سے تیز دھار اور بال سے باریک ہے۔ حکم تک کوئی ایک ہی پہنچتا ہے البتہ اجر ہر مجتہد کو ملتا ہے۔

یہاں شرع ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور بندہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (الفاتحہ: ۵) مجھے صراط مستقیم دکھا۔ یہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے۔ آخرت میں اس کا ظہور حسی ہو گا، جو دنیا میں اس کے ظہور سے واضح اور اظہر ہو گا، ماسوائے اُس کے جو اللہ کی طرف بصیرت سے بلائے، جیسے رسول اور اُس کی پیروری کرنے والے کرتے ہیں؛ سو بصیرت یعنی علم اور کشف سے بلانے کی وجہ سے اللہ نے انہیں انبیا کے درجات عطا کیے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: "روز قیامت پل صراط آنکھوں پر اسی قدر ظاہر ہو گا جتنا اس پر چلنے والے کا نور ہو گا۔" کچھ لوگوں کے لیے یہ تنگ ہو گا تو دوسروں کے لیے کشادہ۔ اِس حدیث کی تصدیق اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ﴾ (التحریم: ۸) اُن کا نور ان کے آگے اور دائیں چلتا ہو گا۔ سعی کا مطلب چلنا ہے، اور یہاں راستے سے مراد صراط ہے۔ اللہ نے دائیں کا اس لیے کہا کیونکہ آخرت میں مومن

---

[1] الشیخ نے یہ بھی بتایا ہے متواتر حدیث بھی صرف الفاظ کے تواتر کا بتاتی ہے مسئلے میں اصل الہی حکم تک بہت کم نصوص دلالت کرتی ہیں۔

کے لیے کوئی بایاں نہیں، جیسا کہ اہل دوزخ کے لیے کوئی دایاں نہیں۔ یہ ہیں پل صراط کے چند احوال۔[1]

جہاں تک لوہے کے کانٹوں اور خار دار نوکیلے ناخنوں کی بات ہے تو یہ بنی آدم کے اعمال کی صورتیں ہیں، انہیں اُن کے یہ اعمال صراط پر روک لیں گے، کہ نہ جنت میں جا سکیں گے اور نہ جہنم میں گر پائیں گے، یہاں تک کہ شفاعت اور الٰہی عنایت انہیں گھیر لے، جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا۔ سو جس نے یہاں درگزر سے کام لیا اللہ وہاں اُس سے درگزر فرمائے گا، اور جس نے یہاں کسی مجبور کو مہلت دی، اللہ وہاں اُسے مہلت دے گا۔ اور جس نے یہاں معاف کیا اللہ وہاں اُسے معاف کرے گا۔ اور جس نے یہاں اس کے بندوں سے پورا پورا حق لیا تو اللہ کل وہاں اُس سے پورا پورا حق لے گا، اور جو اس امت پر سختی کرے گا اللہ اس پر سختی کرے گا، "تمہارے اعمال ہی لوٹ کر تمہاری طرف آتے ہیں۔"[2] لہذا اچھے اخلاق اپناؤ، اللہ کل تمہارے ساتھ وہ معاملہ

[1] شیخ اکبر نے دنیا میں صراط کو معنوی جبکہ آخرت میں صراط کو حسی قرار دیا ہے۔ البتہ دنیا میں ان پر یہ صراط ظاہر ہے جو بصیرت یعنی علم اور کشف سے اللہ کی طرف بلاتے ہیں، یہی انبیا کے اصل پیروکار ہیں، انہیں ہی اولیا اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ نے یہ حدیث بیان کی کہ روز قیامت صراط چلنے والوں پر ان کے نور کے حساب سے ظاہر ہوگا۔ یہی تو کشف کا وہ نور ہے جس کے حساب سے اہل اللہ پر احکام الٰہی دنیا میں واضح ہوتے ہیں۔

[2] یہاں اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد اس مناسبت کی جانب اشارہ کرنا ہے جو ان تمام صورتوں میں موجود ہے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ مثلاً جو کسی تنگ دست کو مہلت دے گا تو اللہ اسے مہلت دے گا، یہاں مناسبت مہلت دینا ہے۔ اور جو معاف کرے گا تو اللہ اسے معاف کرے گا، یہاں مناسبت معاف کرنا ہے۔ جو اپنا حق پورا پورا نکلوائے گا تو اللہ وہاں

کرے گا جیسا تم اس کے بندوں کے ساتھ معاملہ کروگے۔ چاہے وہ کوئی ہو اور چاہے یہ بندے کوئی ہوں۔

پانچواں مقام: اعراف

جہاں تک اعراف کی بات ہے تو یہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے ﴿بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ﴾ (الحدید: ۱۳) اِس کے اندر رحمت ہے؛ کہ یہ جنت سے متّصل ہے ﴿وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ (الحدید: ۱۳) جبکہ اس کے باہر عذاب ہے؛ اور یہ دوزخ سے متّصل ہے۔ یہاں وہ لوگ ہوں گے جن کے پلڑے برابر ہوں گے۔ وہ دوزخ کو بھی دیکھیں گے اور جنت کو بھی دیکھیں گے، لیکن جنت اور دوزخ میں سے کسی ایک گھر میں داخل نہیں ہوں گے۔ پھر جب انہیں سجدہ کرنے کا حکم ہو گا، اور سجدہ ہی وہ عبادت ہے جو روز قیامت باقی ہو گی، تو یہ سجدہ کریں گے، یوں ان کا نیکی والا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور یہ جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ اپنے گناہوں کے سبب دوزخ کو دیکھیں گے اور اپنی نیکیوں کے سبب جنت کو دیکھیں گے، جب یہ اللہ کی رحمت کو دیکھیں گے تو اسے پانے کی طمع رکھیں گے۔ اور ان کی طمع کی وجہ یہ ہو گی کیونکہ یہ "اہل لا الہ الا اللہ" میں سے ہوں گے اور اس کلمے کو اپنے میزان میں نہ پائیں گے۔ یہ لوگ یہ بھی جانتے ہوں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (النساء: ۴۰) کہ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اور اگر کسی ایک پلڑے میں ذرہ بھی پڑ گیا تو وہ جھک جائے گا؛ کیونکہ ابھی یہ دونوں برابر ہیں۔ پس یہ اللہ کے کرم اور عدل کی طمع رکھیں گے۔ اور یہ

اس سے حق پورا پورا نکلوائے گا۔ یا جو امت محمدیہ پر سختی کرے گا تو اللہ اس پر سختی کرے گا۔ یہ سب کچھ مناسبت کی وجہ سے ہے۔ اور اللہ تمہارے ساتھ بھی وہی کرے گا جو تم اس کے بندوں کے ساتھ کروگے۔

کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی اللہ کے نزدیک بڑی عظمت ہے، اِس کا اثر اِن پر ظاہر ہو گا۔[1]

اللہ عز و جل ان کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿وَ عَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ وَ نَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ﴾ (الاعراف: ۴۶) اور اعراف میں کچھ لوگ ہوں گے جو اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے، یہ جنت والوں کو پکاریں گے تم پر سلامتی ہو، وہ ابھی جنت میں نہیں گئے ہوں گے لیکن جنت کی طمع رکھتے ہوں گے۔ جیسا کہ ان کا یہ قول بھی ہے ﴿وَ إِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الأعراف؛۴۷) جب ان کی نظریں اہل دوزخ کی جانب گئیں تو بولے: اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں میں سے مت بنائیے۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے کچھ اور نہیں۔[2]

چھٹا مقام: موت کا ذبح ہونا

اگرچہ موت ایک نسبت[3] ہے، لیکن اللہ اِسے روز قیامت ایک دودھیا مینڈھے کی شکل میں ظاہر کرے گا، پھر پکارے گا: اے اہل جنت! تو وہ اوپر ہو کر دیکھیں گے،

---

[1] یعنی یہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ کیونکہ تمام اعمال کا وزن کیا جائے گا جبکہ کلمہ لا الہ میزان میں نہیں ڈالا جائے گا چنانچہ یہ اسی کلمے کے اثر سے نجات پائیں گے۔

[2] چونکہ دوزخ میں صرف مشرک ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور وہ تمام اہل ایمان جنہوں نے لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھا وہ اس سے باہر آ جائیں گے تو یہ اللہ سے یہی دعا کریں گے کہ وہ اہل شرک میں سے نہیں لہذا انہیں جنت میں داخل کیا جائے۔

[3] دو موجود اشیا کے مابین قائم تعلق کو نسبت کہتے ہیں جو بذات خود کوئی وجود نہیں رکھتی۔ اسی لیے شیخ اکبر نے کہا اگرچہ موت ایک نسبت ہے لیکن روز قیامت اللہ اسے ایک خوبصورت مینڈھے کی شکل میں ظاہر کرے گا اور پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا۔

اور اے اہل دوزخ! اور وہ اوپر ہو کر دیکھیں گے۔ اس وقت جہنم میں صرف اہل جہنم ہی ہوں گے، وہ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر دونوں گروہوں سے کہا جائے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ اور موت جنت اور دوزخ کے درمیان ہو گی۔ وہ کہیں گے: یہ موت ہے۔ پھر یحیی علیہ السلام آئیں گے اور ان کے ہاتھ میں چھری ہو گی۔ وہ موت کو لٹا کر ذبح کریں گے۔ اور ایک منادی پکارے گا: اے اہل جنت! ہمیشہ کی زندگی ہے کوئی موت نہیں۔ اور اے اہل دوزخ: ہمیشہ کی زندگی ہے کوئی موت نہیں۔ یہ ہے حسرت کا دن[۱]۔

جب اہل جنت موت کو دیکھیں کے تو بہت خوش ہوں گے، موت سے کہیں گے: اللہ نے تجھے ہمارے لیے مبارک کیا، کہ تو نے ہمیں دنیا کے جھنجھٹ سے نجات دلائی، اور تو ہمارے لیے خیر بن کر آئی، تو ہی وہ سب سے اچھا تحفہ ہے جو حق نے ہمیں دیا۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔"[۲] جہاں تک اہل دوزخ کی بات ہے تو جب یہ اسے دیکھیں گے تو اس سے خوف کھائیں گے، اسے کہیں گے: تو ہی وہ بُرائی ہے جو ہم پر وارد ہوئی، تو نے ہی ہم سے ہماری راحت اور سرور چھینا۔ پھر وہ کہیں گے: کاش تو ہمیں مار ڈالے تا کہ اس عذاب سے تو جان چھوٹے۔

موت کے ذبح ہونے کے دن کو یوم حسرت اِس لیے کہتے ہیں؛ کیونکہ یہ سب پر

---

[۱] شیخ اکبر نے بتایا ہے کہ حسرت کا عربی مطلب ظہور ہے، لہذا یہ ظہور کا دن ہو گا۔

[۲] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: بیشک عارفین میں سے عقل والے فضلا تو اس قید سے چھٹکارے کے لیے موت کے بھی طلب گار ہوتے ہیں، انبیا تو اللہ سے ملاقات کے لیے موت طلب کرتے ہیں، اور اللہ والے بھی اسی لیے ایسا کرتے ہیں۔ اسی لیے جب بھی کسی نبی کو موت کا اختیار دیا گیا تو اس نے قبول کیا؛ کیونکہ اس میں اللہ سے ملاقات ہے، یہ تو اس کی طرف سے نعمت اور احسان ہے۔

ظاہر ہو گا، یعنی دونوں گروہوں کے لیے دائمی خلود کی صفت سے ظاہر ہو گا۔ پھر اس کے بعد جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا، اس کے بعد وہ کبھی نہ کھلیں گے، اور آگ اہل دوزخ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی، یہ ایک دوسرے میں ایسے دبیں گے کہ اِن پر بہت زیادہ دباؤ آئے گا، اوپر والے نیچے کو جائیں گے اور نیچے والے اوپر کو آئیں گے، اس میں انسان اور شیاطین ایسے دکھائی دیں گے جیسے ابلتی ہانڈی میں گوشت کے ٹکڑے اوپر نیچے گھوم رہے ہوتے ہیں، اگر اس کے نیچے تیز آگ ہو، ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾(الإسراء: ۹۷) جب یہ مدہم ہو گی ہم انہیں اور بھڑکا دیں گے؛ یعنی ان کی جلدوں کو تبدیل کر دیں گے۔[1]

ساتواں مقام: اللہ کی دعوت

یہ بادشاہ کی طرف سے اہل جنت کی دعوت ہو گی۔ اِس وقت اہل دوزخ مل کر آہ و بکا کر رہے ہوں گے۔ اہل جنت دعوت کے مزے اڑائیں گے اور اہل دوزخ آہ و بکا میں وقت بیتائیں گے۔ اس دعوت میں انہیں مچھلی کی کلیجی کھلائی جائے گی، اِس میدان کی مٹی روٹی کی طرح خالص سفید ہو گی۔ اسی طرح اہل دوزخ کے لیے بیل کی تلی نکالی جائے گی۔ اہل جنت مچھلی کی کلیجی کھائیں گے، اور مچھلی سمندری مخلوق ہے، یہ جنت کی مناسبت سے عنصر حیات سے ہے۔ کلیجی خون کا گھر اور زندگی کی علامت ہے، زندگی کا مزاج گرم مرطوب ہے، اور اِس خون میں بخارات وہ سانس ہے جسے روح حیوانی کہا جاتا ہے کہ اِسی سے جسم کی حیات ہے؛ یہ اہل جنت کے لیے زندگی کی بقا کی بشارت ہے۔

جہاں تک جانور میں تلی کا ہونا ہے، تو یہ گندگی کا گھر ہے؛ کہ اس میں خون کے

[1] یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے پریشر ککر کو بند کیا جاتا ہے اور پھر اس میں پریشر بنتا ہے۔

فاسد مادے جمع ہوتے ہیں، جگر بھی گندا خون اِسی کو دیتا ہے، اور یہی اہل دوزخ کو کھانے کو دیا جائے گا۔ اور وہ بھی بیل کا، جو کہ زمینی جانور ہے، اس کا مزاج ٹھنڈا اور خشک ہے اور جہنم بھینس کی صورت پر ہوگی۔ بیل کی تلی کا اہل جہنم کی غذا ہونا بہت زبردست مناسبت رکھتا ہے کہ تلی میں خون ہوتا ہے اور اہل دوزخ کبھی نہیں مریں گے، اور چونکہ اس میں گندا خون اور فاسد مادے ہوتے ہیں، تو نہ جئیں گے اور نہ راحت پائیں گے، بلکہ یہ کھا کر مزید بیمار اور علیل ہو جائیں گے۔ پھر اہل جنت جنت میں جائیں گے، اور اس سے کبھی باہر نہ آئیں گے۔ بیشک اللہ ہی حق بات کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

باب نمبر اکسٹھ

جہنم کی معرفت، اور اس میں سب سے زیادہ عذاب کس کو ہو گا اسی طرح بعض عالم علوی کی معرفت

[اشعار]

بیشک یہ آسمان پہلے کی طرح دوبارہ سے ایک ہو جائے گا اور اِس کے ستاروں کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ تاکہ مقیم اس زمین کے ساتھ انصاف کرے، اور یہی تو زمین کے ستون اور بنیادیں ہیں۔ اس سے اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ (دوزخ میں) وہ تکلیف اٹھائے گا کہ جس کی تخلیق اسی (آگ) سے تھی[1] اُس کا آسمان اُسے اُس کے نور میں آگ کا لباس اوڑھائے گا، اسی لیے تو نفوس اس (دوزخ) کی آزمائش کو بڑا سمجھتے ہیں۔

جہنم کی معرفت:

یہ جان-اللہ مجھے اور تجھے اِس سے بچائے-کہ جہنم بڑی مخلوقات میں سے ہے، یہ آخرت میں اللہ کا قید خانہ ہے، جس میں مشرکین اور ملحدین[2] کو قید کیا جائے گا، یہ

---

[1] شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی اور وہی دوزخ میں سب سے زیادہ تکالیف اٹھائے گا۔

[2] مشرکین وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کی صفات میں دیگر خود ساختہ خداؤں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور ملحدیں وہ گروہ ہے جو اللہ کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔

ان دو گروہوں کا گھر ہو گا، جبکہ کافر، منافق اور مومنین میں سے اہل کبائر کے بارے میں اس کا قول ہے: ﴿وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ (الاسراء: ۸) اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ پھر جن کا ہم نے ذکر کیا وہ شفاعت کی وجہ سے اس سے باہر آئیں گے۔[1] اور وہ احسان الٰہی سے باہر آئے گا کہ جس کے بارے میں احسان الٰہی کی نص ہے۔

جہنم کو جہنم اس کی گہرائی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ اگر کنواں بہت گہرا ہو تو اسے "بئر جهنام" گہرا کنواں کہا جاتا ہے۔ جہنم شدید گرمی اور شدید سردی کی جا ہے؛ اس میں انتہا کی سردی ہے تو بلا کی گرمی۔[2] اِس کی چھت اور فرش کے درمیان سات سو

---

[1] یہاں مراد یہ ہے کہ کافروں، منافقوں اور مومنین میں سے وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے جو اہل جہنم ہیں؛ یہ کافر اور منافق ہیں اور وہ شفاعت سے باہر آئیں گے جو اہل جہنم نہیں بلکہ جو یہاں مختصر سزا کاٹنے کے لیے آئے، یہ مومنین میں اہل کبائر ہیں۔

[2] عام عوام میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ جہنم آگ کا گھر ہے اور وہاں شدید گرمی ہو گی۔ لیکن قرآن و حدیث اور کلام شیخ میں یہ بات واضح ہے کہ جہنم شدت کا گھر ہے، وہاں شدید گرمی اور شدید سردی ہو گی۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث اسی معنی کی طرف دلالت کرتی ہے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "جب شدید گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بھڑکنے سے ہے۔ دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی: اے رب! جل جل کر میرا برا حال ہے تو رب نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی: ایک سردی میں اور دوسرا گرمی میں؛ یہ وہ شدید گرمی ہے جو تم محسوس کرتے ہو اور وہ شدید سردی جو تم دیکھتے ہو۔" عذاب شدت کا نام ہے اور راحت اعتدال کا نام ہے۔ اسی لیے جنت کے بارے میں ہے کہ وہاں نہ گرمی ہو گی نہ سردی بلکہ معتدل موسم ہو گا۔

پچاس برس کا فاصلہ ہے۔

جہنم کی تخلیق:

لوگ اِس کی تخلیق میں اختلاف رکھتے ہیں؛ کیا یہ تخلیق ہو چکی یا ابھی تخلیق ہونا باقی ہے؟ اور اس میں اختلاف مشہور ہے۔ ان میں سے ہر گروہ نے اُس دلیل سے استدلال کیا جسے اُس نے حجت سمجھا، اِسی طرح لوگ تو جنت میں بھی اختلاف کا شکار ہیں۔ جہاں تک ہماری اور ہمارے اہل کشف و تعریف والے ساتھیوں کی بات ہے تو یہ تخلیق تو ہو چکی لیکن ابھی مکمل نہیں ہوئی۔

جہاں تک ہمارا انہیں تخلیق شدہ کہنا ہے؛ تو ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی شخص گھر بنانے کا ارادہ کرے، اور چار دیواری بنا دے، تو یہی کہا جائے گا کہ اُس نے گھر بنایا ہے، لیکن جب کوئی اندر گیا تو اس نے صرف دیواریں ہی دیکھیں، جنہوں نے ایک علاقہ گھیر رکھا تھا۔ پھر اِس کے بعد وہ رہنے والوں کی ضرورت کے مطابق کمرے، تہہ خانہ، کچن اور الماریاں بناتا ہے، یا رہنے والوں کی ضروریات کے مطابق اس میں اضافہ کرتا ہے؛ وہ آلات رکھتا ہے جو اِس میں آنے والوں کو عذاب دینے کے لیے استعمال ہوں گے۔

یہ ایسا گھر ہے کہ اِس کی گرمی گرم ہوا کے باعث ہے، اِس کی چنگاریاں بنی آدم اور اُن بتوں سے ہیں جنہیں خدا بنایا گیا، اور اِس کے شعلے جنوں سے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (البقرة: ٢٤) جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ اور فرمایا: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (البقرة: ٩٨) بیشک تم اور جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اور اُس متعال کا کہنا: ﴿فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ (٩٤) وَجُنُوْدُ إِبْلِيْسَ أَجْمَعُوْنَ﴾ (الشعراء: ٩٤-٩٥) تو وہ، گمراہ لوگ اور ابلیس کے لشکر جہنم میں اوندھے منہ ہوں گے۔ جہنم کے آلات اُن

جنات اور انسانوں کے اعمال سے بنیں گے جو وہاں جائیں گے۔[1]

جہنم کی ایجاد:

اللہ نے اِسے برج ثور کے طالع میں ایجاد کیا، اسی لیے اس کی تخلیق بھینس کی صورت پر ہے۔ ہمارے نزدیک یہی قابل بھروسا ہے، اور ابو الحکم ابن برجان نے بھی اپنے کشف میں اِسے اسی صورت پر دیکھا۔ کسی اہل کشف کے سامنے جب یہ سانپ کی صورت میں آئی، تو اُس نے سوچا کہ اللہ نے اِسے اِسی صورت پر تخلیق کیا ہے، جیسا کہ ابو القاسم القسی اور آپ جیسوں کی رائے ہے۔[2]

جب اللہ نے اسے تخلیق کیا تو زحل برج ثور میں تھا، سورج اور مریخ برج قوس میں تھے، جبکہ باقی ستارے برج جدی میں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِسے اپنے اِس قول کی تجلی سے تخلیق کیا جو صحیح مسلم میں یوں درج ہے: "میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا، میں پیاسا تھا اور تو نے مجھے پانی نہ پلایا، میں بیمار تھا اور تو میری عیادت کو نہ آیا۔"[3]

---

[1] اس بات کو عام انداز میں یوں بیان کیا گیا: جہنم میں لکڑیاں نہیں ہوں گی وہاں ہر کوئی اپنی آگ اپنے ساتھ لائے گا۔

[2] شیخ اکبر نے اپنی کتاب تنزلات الموصلیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ یہ میرے سامنے کسی اور صورت پر آئی جیسا کہ ابن القسی کے سامنے سانپ کی صورت پر آئی، اور ابن برجان کے سامنے بھینس کی صورت میں آئی، اور ایک دفعہ ہمارے سامنے ایک گول صورت میں آئی جس کے اوپر نیچے طبقات تھے۔

[3] صحیح مسلم میں یہ حدیث اس طرح سے آئی ہے: اللہ عزوجل روز قیامت کہے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہ کی، بندہ کہے گا: اے رب! میں کیسے تیری عیادت کرتا جبکہ تُو رب العالمین ہے، وہ فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار

یہ وہ سب سے عظیم نزول ہے جس میں حق اپنے بندوں کی جانب اُن پر لطف کرتے ہوئے آیا۔ جہنم کی تخلیق بھی اسی حقیقت سے ہوئی، اللہ ہمیں اور آپ سب کو اس سے پناہ میں رکھے۔ اِسی لیے اِس نے جابروں پر جبر کیا اور متکبروں کا تکبّر توڑا۔

تھا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی، کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ پھر رب فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بھوکا تھا اور تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، وہ کہے گا: یارب! میں کیسے تجھے کھانا کھلاتا جبکہ تو ربّ العالمین ہے۔ رب فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، اور تو نے اسے کھانا نہیں دیا۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو یہ میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم میں پیاسا تھا اور تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ وہ کہے گا: یارب! میں کیسے تجھے پانی پلاتا جبکہ تُو رب العالمین ہیں، اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے اُسے پانی نہ دیا، اگر تو اسے پانی پلاتا تو یہ میرے پاس پاتا۔

اس حدیث کے عربی الفاظ میں تھوڑا بہت فرق ہے صحیح مسلم میں استطعمتك ہے جبکہ شیخ نے جعتُ لکھا، صحیح مسلم میں استسقیتك ہے جبکہ شیخ نے ظمئتُ لکھا۔ یہاں اصل نکتہ یہ ہے کہ شیخ اکبر نے فتوحات یا دیگر کتب میں جب بھی اس حدیث کو لکھا تو انہی الفاظ سے لکھا جبکہ کتب احادیث میں الفاظ متعدّد ہیں۔ شیخ اکبر حدیث کے الفاظ پر زیادہ زور دیتے ہیں اور روایت بالمعنی کو ابلاغ میں شامل نہیں کرتے کیونکہ روایت بالمعنی سے الفاظ حدیث کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد قاری کو یہ پتا نہیں چلتا کہ نبی ﷺ نے در اصل کیا الفاظ کہے تھے کیونکہ ہر لفظ کا ایک معنی ہے جس پر اس کا مترادف اس طرح سے دلالت نہیں کرتا۔

جہنم کی تکالیف:

اس کی وہ تمام تکالیف جو اِس میں جانے والے پائیں گے ؛ وہ صفتِ غضب الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ اور ایسا اُسی وقت ہو گا جب مخلوق میں سے جن و انس اِس میں جائیں گے۔ لیکن اگر اِس میں کوئی نہیں تو اِس میں ذاتی کوئی تکلیف نہیں، اور نہ ہی فرشتوں کو کوئی تکلیف ہے، بلکہ یہ اور اُس میں دیگر اہلکار فرشتے اللہ کی رحمت میں ہیں، اسی سے لذت پاتے اور بلاناغہ تسبیح کرتے ہیں[1]، وہ متعال فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾ (طه: ۸۱) اور اس میں زیادتی نہ کرو کہیں میرے غضب کا شکار نہ ہو جاؤ، اور جو میرے غضب کا شکار ہو گیا تو بیشک وہ گر پڑا۔ یعنی میرے غضب کا نشانہ بنا۔ اُس نے غضب کی اضافت اپنی جانب کی، اور جب یہ اس میں جائیں گے تو غضب کے نشانے پر ہوں گے۔ جہنم ان کا گھر ہو گا، وہ اس میں قید ہوں گے، اور وہ غضب کی جا ہوں گے، کہ غضب انہیں شکار کرے گا۔ یہاں غضب سے مراد عین تکلیف ہے۔

جہنم رحمت الٰہی سے تخلیق ہوئی:

سو طریقت کا وہ دعوے دار جسے معرفت نہیں، جو یہ چاہتا ہے کہ اس معاملے کو تمثیل، قوت اور صفات کی مناسبت سے دیکھے، وہ یہ کہتا ہے کہ جہنم قہر الٰہی سے تخلیق ہوئی، اور اسم القاہر اس کا رب اور اِس پر جلوہ فگن ہے۔ اگر یہ معاملہ ویسا ہی ہوتا جیسا اُس نے کہا تو جہنم خود میں ہی مشغول ہو جاتی، اور جابروں پر اپنا تسلط نہ جماتی، اور

---

[1] یہ بھی اسی جانب اشارہ ہے کہ جہنم میں ہر ایک عذاب میں نہیں بلکہ وہی عذاب میں ہو گا جو عذاب کے لیے یہاں لایا جائے گا، جہنم کے داروغہ اور فرشتے اس میں رحمت الٰہی میں ہی ہوں گے انہیں کوئی عذاب نہ ہو گا۔

پھر اُس کا یہ کہنا بھی نہ بنتا: ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ (ق: ٣٠) کیا اور بھی ہیں۔ اور نہ یہ کہتی: "میرے بعض کو بعض نے کھالیا۔[1]" پس حق کا اپنی رحمت اور شفقت سے ﴿وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف: ١٥٦) جو ہر شے پر پھیلی ہے، اِس کی جانب نزول کرنے نے اس کے دعووں میں اسے وسعت دی، اس نے جابروں پر تسلط قائم کیا، اور یہ اسی کی وجہ سے ہے کہ جس نے اس پر یہ احسان کیا۔ یہ کافروں کے ساتھ جو کچھ بھی کرے گی تو وہ نعمت دینے والے کا شکر ہو گا کہ اُس نے اِس پر انعام کیا۔ یہ (جہنم) تو صرف حق سبحانہ کی مطلق نعمت کو ہی جانتی ہے، وہ نعمت جسے اس کا مقابل یعنی غضب گدلا نہیں کرتا، لوگ اس کی تخلیق میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔[2]

ایک منافق کی موت:

اس بارے میں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بڑی عجیب حدیث روایت کی:
"ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ سب نے ایک بھاری شے گرنے کی آواز سنی، سب ڈر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ آواز کیسی تھی؟ بولے: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت میں راحت اور قہر میں عذاب ہے۔ اگر دوزخ قہر سے تخلیق ہوتی تو وہ خود بھی عذاب میں ہوتی جبکہ وہ رحمت میں ہے عذاب میں نہیں۔

[2] اس پیراگراف میں شیخ اکبر یہ بتا رہے ہیں کہ جہنم بھی اللہ کی دیگر مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے۔ اور اللہ نے اسے رحم کرتے ہوئے ہی بنایا ہے، یہ اس کے غضب سے تخلیق نہیں ہوئی۔ اگرچہ یہ اس کے غضب کا مظہر ہے یعنی اس میں عذاب دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی اپنی تخلیق محض رحمت سے ہے۔ اور جن متکبروں اور جابروں پر یہ اپنا تسلط جمائے گی تو یہ اس پر اللہ کا احسان ہی ہے اور ایسا کرنے میں یہ اپنے محسن کا شکر ادا کرے گی۔

فرمایا: ایک پتھر کو ۷۰ سال پہلے جہنم میں گرایا گیا، اب وہ اس کی گہرائی تک پہنچا ہے، یہ آواز اسی کی تھی کہ وہ اس کی تہہ تک پہنچ گیا۔

ابھی آپ ﷺ نے اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ منافقین میں سے ایک منافق کے گھر شور مچ گیا کہ اُس کا انتقال ہو گیا ہے، اور اس کی عمر ستر سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر۔ پس علم والے صحابہ کو پتا چل گیا کہ یہ منافق ہی وہ پتھر تھا، اور جب سے اللہ نے اُسے تخلیق کیا وہ جہنم کی آگ میں گرتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ ستر سال کا ہو گیا، اور جب مرا تو اس کی تہہ تک جا پہنچا۔[1]

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: ۱۴۵) بیشک منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ اُن اصحاب کا یہ آواز سننا جو اللہ نے انہیں سنوائی اِس لیے تھا کہ یہ عبرت پکڑیں۔ غور کر کہ نبوت کا کلام کس قدر حیران کن ہے! اس کی تعریف کس قدر لطیف اور اس کے اشارات کس قدر حسین ہیں، اور آپ ﷺ کا کلام تو کیا ہی شیریں ہے۔

جہنم کے احوال:

میں نے اللہ سے سوال کیا کہ مجھے اس جہنم کے احوال میں سے کچھ دکھا، تو میرے سامنے اِس میں جھگڑنے والوں کا منظر لایا گیا، اور یہ اُس متعال کا کہنا ہے: ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ (ص: ۶۴) بیشک اہل دوزخ کا آپس میں جھگڑنا بھی حق ہے۔ اور اس متعال کا ان گمراہوں اور ان کے بتوں کے حوالے سے کہنا: ﴿قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ(۹۶)تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ(۹۷)اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ

[1] یہاں تہہ تک جا پہنچنے سے مراد جہنم میں اس منافق کا مقام ہے، وگرنہ شیخ اسی باب میں پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ جہنم کی چھت اور فرش کے درمیان سات سو پچاس برس کا فاصلہ ہے۔

الْعٰلَمِیْنَ(۹۸)وَ مَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (الشعراء:۹۶—۹۹) وہ اس میں لڑتے ہوئے کہیں گے، خدا قسم ہم تو واضح گمراہی کا شکار تھے، کہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے، اور ہمیں تو مجرموں نے گمراہ کیا۔ یہ وہی اہل دوزخ ہیں جو اس کے اہل ہیں، جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ﴿وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (یس: ۵۹) اے مجرمو! آج تم سب علیحدہ ہو جاؤ۔ مجرموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوزخ کو آباد کریں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اِس میں رہیں گے۔[1] ان لوگوں سے الگ ہو جاؤ جو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے اس جہنم سے باہر آئیں گے، اور موحدین تو پہلے ہی عنایتِ الٰہی پائیں گے۔

مجھے اس کا یہ منظر دکھایا گیا، میں اِس میں جھگڑنے والوں کو اُن لوگوں سے تشبیہ دیتا ہوں جو مناظروں میں ایک دوسرے سے اپنے استدلال پر جھگڑتے ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے وہ سب یاد آیا جس پر اللہ نے مجھے مطلع کیا تھا، اور میں نے دیکھا کہ ساری رحمت تو نبوت سے اخذ کرنے اور کتاب و سنت پر ٹھہرنے میں ہے۔ بیشک لوگ آپ ﷺ کے اِس قول سے اندھے ہیں: "نبی کے سامنے جھگڑنا نہیں چاہیے۔" اور آپ ﷺ کی حدیث کے سامنے ہونا آپ ﷺ کے سامنے ہونے جیسا ہے، کہ جب کوئی حدیث بیان کرے تو جھگڑنا نہیں چاہیے، سننے والے کو حدیث سنتے وقت اپنی آواز پست رکھنی چاہیے، کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات: ۲) اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔ اہل اللہ کے نزدیک نبی کی آواز اور نبی کے اقوال میں کوئی فرق نہیں۔

---

[1] جو لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے وہی اہل جہنم ہیں، قرآن نے انہیں مجرم کہہ کر مخاطب کیا اور یہ چار گروہ ہیں: متکبرین، ملحدین، مشرکین اور منافقین۔

حدیث کا احترام:

ہمیں تو خود کو بغیر کسی جھگڑے کے وہ بات قبول کرنے کے لیے تیار کرنا چاہیے جو حدیث بیان کرنے والا کلام نبوت میں سے بیان کرے، چاہے یہ حدیث کسی سوال کا جواب ہو یا اسی سے کلام کی ابتدا ہو؛ کسی مسئلے یا افتاد میں آپ کی بات پر ٹھہر جانا واجب ہے۔ سو جب یہ کہا جائے: قال اللہ، یا قال رسول اللہ ﷺ تو سننے والے کو چاہیے کہ اسے ادب سے قبول کرے، اور بیان کرنے والے کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرے جب بیان کرنے والا قال اللہ یا قال رسول اللہ ﷺ کہے۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۶) اِسے پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ حالانکہ یہ کلام تو رسول اللہ ﷺ نے ہی پڑھا اور سننے والے نے بھی اِسے آپ کی زبانی ہی سنا۔ پھر اگر اُس نے سننے والے کو اپنے کلام میں شریک کیا تو وہ خود سننے والا نہیں۔ یہ وہ آداب ہیں جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے اس قول میں سکھائے: ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ (طٰہٰ: ۱۱۴) اور قرآن میں جلد بازی مت کریں جب تک کہ آپ پر اس کی وحی پوری نہ ہو جائے۔ اور اللہ فرماتا ہے: ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾ (الحجرات: ۲) اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی مت کرو اور نہ ہی انہیں ایسے اونچی آواز سے بلاؤ جیسے تم آپس میں کسی کو بلاتے ہو۔ اللہ

---

[1] شیخ اکبر کا قرآن و حدیث کو اہمیت دینا اسی بات سے واضح ہے۔ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ جب بھی قال اللہ یا قال رسول اللہ ﷺ کی آواز آئے تو ہر مومن کو چاہیے کے وہ یہ بات دھیان سے سنے اور اپنی آواز حدیث بیان کرنے والے کی آواز سے اونچی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا حدیث رسول کی بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔

نے اس پر تمام اعمال ضائع ہو جانے کی وعید سنائی کہ انسان کو پتا بھی نہ چلے۔ بیشک مناظرہ کرنے والا اپنے رد میں یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ وہ دین اللہ کا دفاع کر رہا ہے۔ یہی تو وہ مکر الہی[1] ہے جس کے بارے میں اُس نے کہا: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا

---

[1] لوگ اکثر سوال کرتے ہیں آپ اردو میں مکر الہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں ایسا کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ ان کو ہمارا جواب یہی ہوتا ہے ہر وہ لفظ جو قرآن میں اللہ نے اپنے لیے استعمال کیا اِس لفظ کا اُس رخ پر استعمال جس پر وہ قرآن وحدیث میں آیا بے ادبی یا گستاخی نہیں۔ لفظ مکر بھی انہی الفاظ میں سے ہے کہ اللہ نے قرآن میں متعدّد بار اسے اپنے لیے استعمال کیا۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (آل عمران: ۵۴) انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا اور اللہ بہترین مکر کرنے والا ہے۔ یہاں اصل مسئلہ لفظ کے اِس مطلب سے ہے جو مخلوق سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن وہ خالق کے شایان شان نہیں۔ اسی طرح قرآن وحدیث میں بہت سے ایسے الفاظ اللہ تعالی نے خود اپنے لیے استعمال کیے ہیں جو جب مخلوق کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں تو ان کا مطلب اور ہوتا ہے اور جب خالق کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں تو ان کا مطلب خالق کی مراد کے مطابق اس کے شایان شان ہوتا ہے۔ جیسے اللہ نے خود اپنے لیے ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور دیگر اعضا والے الفاظ استعمال کیے، یا جیسے ہنسی خوشی اور حیرت والی صفات کا ذکر کیا۔ ان الفاظ کے استعمال سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ اللہ کے اعضا اور صفات ہماری جیسی ہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالی کا اپنے بندوں کے حق میں نزول ہے کہ وہ ان الفاظ سے ان کی دلجوئی کرتا اور انہیں بات سمجھاتا ہے۔

شیخ اکبر نے عربی میں لفظ مکر کو قرآن کی اتباع میں استعمال کیا ہے لیکن مراد بھی وہی معنی لیے ہیں جو اس ذات کے شایان شان ہیں۔ فتوحات مکیہ کا باب نمبر ۲۳۱ مکر کی معرفت پر ہے، اس میں آپ لکھتے ہیں: یہ جان کہ اہل اللہ مکر سے مراد: مخالفت کے ہوتے ہوئے

یَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۲) ہم انہیں ایسے درجہ بدرجہ پکڑیں گے کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو گی۔ اور فرمایا: ﴿وَ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (النمل: ۵۰) اور ہم نے بھی ایک مکر کیا جس کا انہیں شعور نہیں۔

پس اپنے خیر خواہ دانا مومن کو چاہیے کہ جب وہ کسی کو یہ کہتا سنے: اللہ تعالی نے فرمایا، یارسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو خاموش ہو جائے، اپنے کان لگائے اور ادب سے یہ بات سمجھے کہ اللہ تعالی یا اُس کے رسول ﷺ نے کیا فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۲۰۴) جب

نعمتوں کی برسات، بے ادبی کے ہوتے ہوئے احوال کی بقا اور حکم کے بغیر نشانیوں کا اظہار لیتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک یہ بھی بندے سے مکر ہے کہ بندے کو وہ علم دیا جائے جو عمل کا متقاضی ہے لیکن عمل سے محروم رکھا جائے، اگر عمل دیا جائے تو اخلاص سے محروم رکھا جائے۔

میں کہتا ہوں: قرآنی سیاق وسباق میں مکر الٰہی استدراج یا ڈھیل دینے کے معنی میں آیا ہے، یعنی کسی کے گناہوں کے باوجود اس پر انعامات برقرار رہنا، یا صوفیا میں سے کسی کی بد حالی کے باوجود اس سے کرامات کا جاری رہنا، یہ اللہ کا اِسے ڈھیل دینا ہے۔ لہٰذا اللہ کی ڈھیل ہی اس کا مکر ہے۔ اِس مقام پر بھی شیخ اکبر نے جو آیت ذکر کی اس میں یہ واضح لکھا ہے کہ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ہم انہیں ایسے درجہ بدرجہ پکڑیں گے کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو گی۔ یعنی انہیں ڈھیل دیں گے اور ایک دم سے نہیں پکڑیں گے بلکہ ان پر اپنے انعامات جاری رکھیں گے چنانچہ انہیں شعور تک نہ ہو گا کہ یہ انعامات اللہ کی طرف سے وہ ڈھیل ہیں جس کے بعد پکڑ ہے۔ جیسے اللہ کا ہاتھ مخلوق کے مشابہ نہیں ویسے ہی اللہ کا مکر مخلوق کے مکر جیسا نہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش ہو جاؤ، ہو سکتا ہے تم پر رحم کیا جائے۔ اِس طرح سے سننے والوں پر ہی رحم کی امید ہے، اُس نے یہ نہیں کہا کہ لازماً تم پر رحم کیا جائے گا۔ پس اُس کا حال کیا ہو گا جو جھگڑا کرے، اپنی آواز کو بلند کرے، قرآن و حدیث پڑھنے والے کے کلام میں دخل اندازی کرے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ کا ہو سکتا کہنا بھی واجب ہے جیسا کہ علما کی رائے ہے۔[1]

جہنم کے کشفی حقائق:

جب میں نے دوزخ کو دیکھا تو عجیب منظر دیکھا؛ اِس رویت میں میں نے پانی کو ہوا پر بھروسا کرتے دیکھا، احیاز کی آبادکاری میں یہ بڑی عجیب بات ہے۔ بیشک دو جوہر ایک حیزّ میں نہیں ہو سکتے۔ اور حیزّ اسی کا ہے جس نے اسے پُر کیا۔[2] اس رویت

---

[1] یعنی اللہ نے جب جب قرآن میں فرمایا: ہو سکتا ہے تم پر رحم کیا جائے تو اس کا مطلب ہے لازماً تم پر رحم کیا جائے گا۔ علما کی نظر میں اللہ کا ہو سکتا کہنا واجب ہے۔ یعنی جس بات پر اللہ نے ہو سکتا کہا وہ لازماً ہو کر رہتی ہے، یہی شیخ اکبر فرما رہے ہیں۔

[2] شیخ نے یہاں دوزخ کے بارے میں اپنا مشاہدہ درج کیا ہے اور اس میں ایک عجیب و غریب منظر دیکھا جو عقلاً محال معلوم ہوتا ہے۔ وہ منظر یہ تھا کہ آپ نے پانی کو ہوا کے اوپر ٹھہرے دیکھا جیسے پانی کسی ٹھوس مادے کے اوپر ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہوا مادے میں گیس والی حالت ہے اور مائع گیس کے اوپر نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ گیس میں یہ طاقت نہیں کہ اسے روک سکے۔ اسے روکنے کے لیے ٹھوس مادے کی طاقت درکار ہوتی ہے۔ لیکن اس کشف میں آپ نے لطیف یعنی گیس کو کثیف یعنی مائع سے زیادہ طاقتور دیکھا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ ایک حیز یعنی جگہ میں دو چیزیں بھی سما سکتی ہیں۔ اس رویت میں آپ نے علوم کی ایک کثیر تعداد کو جانا۔

میں مجھے توالد (یعنی اشیا کے آثار) کے ابطال کا پتا چلا، اور یہ کہ اشیا کو حرکت دینے والا تو اللہ تعالی ہی ہے، اور یہ کہ کسی فعل میں سبب کا قطعاً اثر نہیں۔[1] اسی رویت میں میں نے جانا کہ لطیف کثیف سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ ہوا پانی سے لطیف ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ہوا نے اسے روک لیا، اور پانی اپنی قوت کے باوجود اِس کا مقابلہ نہ کر پایا، ہوا نے اِسے نیچے نہیں آنے دیا۔ میں نے خود کو ہوا میں دیکھا اور پانی میرے اوپر تھا، اور ہوا اس پانی کو زمین تک نہیں جانے دے رہی تھی۔ اس رویت میں میں نے علوم کی ایک کثیر تعداد کو جانا۔

اِسی رویت میں میں نے اہل دوزخ کے -اس کے جہنم ہونے کی حیثیت سے نہ کہ آگ ہونے میں- اتنے درکات دیکھے جتنوں پر اللہ نے مجھے مطلع کیا، میں نے اس میں ایک ایسی جگہ بھی دیکھی جسے "مُظلِمَة" یعنی "تاریک" کہا جاتا ہے، میں اِس میں پانچ درجے تک نیچے گیا، اور اس کی ہلاکت آفرینی دیکھی، پھر مجھے اوپر والے پانی میں ڈالا گیا تو میں نے اسے چیر دیا، اور عجیب و غریب مشاہدہ کیا۔ میں نے اس میں جھگڑنے والوں کے احوال بھی جانے، جب وہ جحیم[2] میں جھگڑ رہے تھے، اور یہ جھگڑنا ہی اس حالت میں ان پر عذاب تھا، اور یہ کہ جہنم میں ان پر عذاب جہنم سے نہیں، بلکہ جہنم تو ان کا ٹھکانہ اور قید خانہ ہے، اللہ جب چاہے گا اس میں عذاب تخلیق کرے گا، ان کا عذاب اللہ کی جانب سے ہو گا اور وہ اس کا نشانہ ہوں گے۔

---

[1] یہاں شیخ یہ بتا رہے ہیں کہ اشیا میں ہر شے اللہ کے حرکت دینے سے ہی حرکت کرتی ہے اور وہ بذات خود کسی دوسری شے کا سبب نہیں ہوتی۔ یعنی ہر سبب کا بھی ایک سبب ہے اور وہی اصل سبب ہے جسے مسبب الاسباب کہتے ہیں۔

[2] جحیم جہنم کے دروازں میں سے ایک دروازے کا نام ہے۔

جہنم کے دروازے:

پھر اللہ نے جہنم کے ﴿لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ﴾ (الحجر: ۴۴) سات دروازے بنائے ہر دروازے میں عالم اور عذاب کا ایک مقسوم حصہ ہے۔ یہ ساتوں دروازے کھلے ہیں، اور اِس کا ایک آٹھواں دروازہ بھی ہے جو بند ہے۔[1] یہ دروازہ رویت باری تعالیٰ پر حجاب ہے۔ ہر دروازے پر ایک فرشتہ کھڑا ہے؛ یہ سات آسمانوں کے فرشتے ہیں، مجھے اُس وقت تو ان کے نام یاد تھے لیکن اب بھول گیا ہوں اور صرف ایک نام یاد ہے جو اسماعیل تھا۔

جہنم کے اجرام:

جہاں تک سیاروں کی بات ہے تو یہ سب کے سب اپنی عظیم تخلیق کے باوجود جہنم میں تاریک اجرام کی حیثیت میں ہوں گے۔ اسی طرح سورج اور چاند جہنم میں بھی طلوع اور غروب ہوں گے۔ وہاں سورج ہمیشہ روشن رہے گا۔ جہنم میں ان

---

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۷۱ میں یہ بتایا ہے کہ یہ سات دروازے سات اعضائے تکلیف کی وجہ سے ہیں اور جو آٹھواں دروازہ بند ہے وہ باب قلب ہے۔ مواقع النجوم کتاب میں آپ نے انسان میں آٹھ مکلف اعضا کا بتایا، جو کہ یہ ہیں: آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیٹ، شرم گاہ، ٹانگ اور قلب۔ ان اعضا میں سے ہر عضو پر اس سے مخصوص احکام شرعی کی ذمہ داری ہے اور انہی پر کسی انسان کا حساب کتاب ہونا ہے۔ اگر وہ ان اعضا کو رب کی موافقت میں لگائے گا تو جنت میں ان کا صلہ پائے گا لیکن اگر وہ انہیں رب کی مخالفت میں لگائے گا تو ان سے پیدا شدہ اعمال جہنم کے انہی سات دروازوں سے اندر جائیں گے اور عذاب کا مزہ اڑائیں گے۔ ان آٹھ اعضا پر عائد تکلیفات شرعی کی تفصیل اور اس کے باطنی پہلو یعنی کرامات آپ مواقع النجوم کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔

کے چلنے سے تکوینات (یعنی تخلیقات) اسی جہان کے حساب سے ہوں گی، جیسے صورتوں کا تبدیل اور پراگندہ ہونا، اسی لیے تو اُس متعال نے فرمایا: ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ (المؤمن: ۴۶) صبح و شام آگ کو اُن کے سامنے لایا جائے گا، یہ حالت جاری رہے گی۔ برزخ میں تو صرف سامنے کرنا ہے، اِس (آگ) میں داخل تو یہ آخرت میں ہوں گے۔[1]

جہنم میں سیاروں کے اجرام ویسے ہی ہوں گے جیسے ہمارے سامنے یہ اپنی گرہن والی حالت میں ہوتے ہیں۔ لیکن جہنم میں ان حرکات کا وزن ہمارے آج کے میزان کے برخلاف ہو گا۔ کہ ان کا گرہن کبھی نہیں اٹھے گا، یہ گرہن ان کی ذات میں ہو گا نہ کہ ہماری آنکھوں میں۔ وہاں ہوا صاف شفاف نہ ہو گی؛ یہ ہماری نظروں اور تمام روشنیوں کے ادراک کے مابین حائل ہو جائے گی۔[2] یوں ان سیاروں کے اجرام تاریک اور پراگندہ دکھائی دیں گے۔ جیسا کہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں یہاں سورج اپنی ذات سے روشن ہے، جبکہ چاند کا حجاب نظر کو سورج کے ادراک سے یا چاند کے نور کے ادراک سے یا جسے گرہن لگے اس کے ادراک سے روکتا ہے۔ اسی لیے گرہن کے وقت کہیں سورج نظر آتا ہے، کہیں کم نظر آتا ہے اور کہیں بالکل بھی نظر نہیں آتا۔[3]

---

[1] یعنی حالت برزخ میں جو حالت قبر بھی ہے وہ اس عذاب کا صرف مشاہدہ کریں گے، اور عذاب کا مشاہدہ بھی عذاب ہے لیکن اصل حسی عذاب انہیں دار آخرت میں ہی ہو گا۔

[2] جیسے دنیا میں ہوا اور فضا صاف شفاف ہوتی ہے، نظر اور کسی شے کے مابین حائل نہیں ہوتی لیکن وہاں ہوا گرد آلود ہو گی کہ نظر اور شے کے درمیان آ جائے گی۔

[3] اس پیراگراف میں شیخ نے سورج اور چاند گرہن کے حوالے سے علمی معلومات درج کی ہیں، اور یہ آج سے آٹھ سو سال پرانی کتاب ہے۔ یعنی آٹھ سو سال پہلے کے مسلمان بھی یہ

جب جگہوں کے اختلاف سے نظر کے ادراک میں بھی فرق آتا ہے تو اس سے ہمیں پتا چلا کہ یہاں ضرور ایسی کوئی رکاوٹ ہے جو نظر اور سورج کے نور یا ان جگہوں کے مابین حائل ہوئی، جیسے چاند تیرے ادراک اور سورج کے مابین آ جاتا ہے، یا جیسے زمین کا سایہ تیرے اور چاند تک پہنچنے والی روشنی کے درمیان آ جاتا ہے، یہ سایہ تیرے اور چاند کے مابین نہیں آتا، جیسے چاند تیرے اور سورج کے مابین آیا،[1] یہ اسی حساب سے ہوتا ہے کہ اگر زیادہ دوری ہو یا تیرے اور اس کے مابین کوئی رکاوٹ ہو۔ تمام سیارے اسی طرح سے ہیں ﴿وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۷) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، جیسے اکثر لوگ ایمان بھی نہیں لاتے۔ یہ تمام مختلف اقسام کے گرہن مکسوف ذات کے خشوع پر دلالت کرتے ہیں جو اُسے تجلی الٰہی سے حاصل

جانتے تھے کہ جب چاند سورج اور نظر کے درمیان آتا ہے تو سورج گرہن ہوتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل اگلے پیراگراف میں ہے۔

[1] اس مقام پر شیخ اکبر نے سورج اور چاند گرہن کی مکمل تفصیل بیان کی ہے۔ سورج گرہن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ چاند تیرے ادراک (یعنی تیری نظر) اور سورج کے درمیان آیا لہذا تجھے سورج نظر نہیں آیا تو یہ سورج گرہن ہے۔ اسی طرح چاند گرہن کے بارے میں فرمایا: جب سورج کی روشنی سے جنم لینے والا زمین کا سایہ تیرے اور چاند کے درمیان آ جاتا ہے تو تجھے چاند گرہن حالت میں نظر آتا ہے، یہ سایہ تیرے اور چاند کے درمیان نہیں یعنی تو چاند کو دیکھتا ہے لیکن سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچتی کیونکہ درمیان میں زمین آ گئی ہے۔ اِس حالت کو چاند گرہن کہتے ہیں۔

ہوا۔[1]

---

[1] فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۶۹ میں آپ نے اسی کی تفصیل بیان کی ہے، فرماتے ہیں: گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، سو جب گرہن لگے تو سنت یہی ہے کہ لوگ نماز ادا کریں، یہ بھی عادت سے ہٹ کر دیگر ڈرانے والی نشانیوں میں سے ہے جیسے زلزلہ، شدید اندھیرا اور شدید آندھی وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ سے گرہن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جب اللہ کسی شے پر تجلی ڈالتا ہے تو ہر چیز اس کے آگے جھک جاتی ہے۔ (شیخ اکبر فرماتے ہیں) یہ حدیث روایت کے حساب سے تو ضعیف ہے لیکن معنی میں صحیح ہے۔ ہمارے نزدیک تو تجلی الٰہی ہمیشہ ہی جاری و ساری ہے لیکن لوگ یہ نہیں جانتے اس لیے انہیں اس طرح سے کہا گیا کیونکہ ان کے پاس علم نہیں، لہٰذا عادت سے ہٹ کر ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ وہ بھی یہ جان لیں۔

اللہ کی نشانیوں میں سے کچھ عادت کے تحت ہوتی ہیں اور کچھ عادت سے ہٹ کر ہوتی ہیں، قرآن نے اپنے اس قول: "اس کی نشانیوں میں سے ہے" اور "اس کی نشانیوں میں سے ہے" یا "اس میں اہل خرد کے لیے نشانیاں ہیں" میں بہت سی عادت کے تحت نشانیوں کا ذکر کیا ہے لیکن عام عوام اس سے متنبّہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ عدم حضوری اور غفلت کا شکار ہیں۔ سورج اور چاند کو گرہن لگنا ایک معروف معاملہ ہے اور اس کا تجلی الٰہی سے ہونا صرف رسول اللہ ﷺ یا صاحب کشف عارف ہی جانتا ہے۔

اللہ نے گرہن کو نشانی اس طرح سے بنایا کہ اس سے وہ عالم عنصری میں موجودات کی تخلیق کے حوالے سے کچھ نشانی دکھانا چاہتا ہے یا جس وقت زمین میں جس مقام پر گرہن لگا اس جگہ ایسا کرنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات رات میں بھی گرہن لگتا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کا اثر نہیں ہوتا۔ پھر یہ نیا معاملہ اس برج کے حوالے سے ہوتا ہے کہ جس برج میں گرہن

جہنم کی حد:

حساب کتاب ہو جانے کے بعد، اہل جنت کے جنت میں چلے جانے کے بعد، جہنم کی حد ثابت سیاروں کے فلک سے لے کر اسفل السافلین کی گہرائی تک ہو گی، یہ سب جہنم کا حصہ ہو گا، اگرچہ آج یہ جہنم کا حصہ نہیں، یہ تیاری کے مراحل میں ہے یہاں تک کہ ظاہر ہو، ہاں زمین کی وہ جگہیں جنہیں اللہ نے متعین کر دیا کہ وہ روز قیامت جنت میں شامل کر دی جائیں گی، جیسے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر اور منبر کے درمیان والی جگہ، یا ہر وہ جگہ اور دریا جو شارع نے متعین کیے، یہ سب جنت میں شامل کیے جائیں گے، اور باقی سب جہنم کا حصہ ہو گا۔[1]

اسی لیے عبد اللہ ابن عمر جب سمندر دیکھتے تو کہا کرتے تھے، "اے سمندر؛ تو کب آگ میں تبدیل ہو گا؟" اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ﴾ (التکویر: ٦) جب سمندر جلائے جائیں گے؛ یعنی جل کر آتش ہو جائیں گے، جیسے تندور کو جلایا جاتا ہے۔ اسی لیے ابن عمر سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ خیال کرتے

لگا۔ گرہن کا لگنا تو ایک قطعی علم ہے لیکن اس سے جو معاملہ جنم لیتا ہے اس کا علم قطعی نہیں۔

اس سے پتا چلا کہ گرہن بذات خود کسی خطرے کا باعث نہیں بلکہ اس کے بعد دنیاوی حالات کو جن غیر مرئی حوادث کا سامنا ہوتا ہے وہ حوادث خطرے کا باعث ہوتے ہیں۔ اور یہ سب تجلی الہی سے ہوا کہ گرہن کی شکل میں اتنی بڑی نشانی سے اللہ نے یہ واضح کیا کہ عوام تک نے اسے دیکھ لیا۔

[1] اس سے یہ بھی پتا چلا کہ آج ہم جس عالم میں رہتے ہیں یہ سارا عالم کل دار آخرت میں جہنم کا حصہ ہو گا۔

تھے، فرماتے تھے: تیمم مجھے اس سے بہتر لگتا ہے۔

اگر اللہ آج مخلوقات کی آنکھوں پر پڑا پردہ اٹھا دے تو وہ اِسے آج بھی ابلتا دیکھیں۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے اور جو چاہتا ہے چھپاتا ہے، تاکہ ہم یہ جان سکیں ﴿اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق: ۱۲) کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے، اور اس نے علم سے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ پرہیز گاروں کے ساتھ تو اکثر ایسا پیش آتا ہے، کہ ایک محفوظ پرہیز گار کو حرام کھانا خنزیر، پاخانہ یا شراب دکھائی دیتا ہے، اور وہ اپنے دیکھنے میں شک بھی نہیں کرتا۔ جبکہ اس کے ساتھ بیٹھا شخص اسے روٹی یا شیریں پانی ہی دیکھتا ہے۔[1]

اب مجھے نہیں پتا کہ کس کے حواس درست ہیں اور کون صاحبِ خیال ہے؟ کیا وہ جس نے اس میں حکم شرعی کا ادراک کیا؟ یا وہ جس نے اسے عرف عام کے

[1] شیخ اکبر نے اپنی کتاب مواقع النجوم میں اس طرح کے بہت سے واقعات مثالوں سے لکھے ہیں۔ اس میں آپ لکھتے ہیں: پرہیز گار کی کھانے پینے اور لباس میں کسی نشانی سے حفاظت کی جاتی ہے، یہ (نشانی) یا تو اللہ اُس کے دل میں ڈالتا ہے یا پھر اُس شے میں ظاہر کرتا ہے جس میں حرام یا شبہے والی صفت ہو، یہاں تک کہ وہ صرف پاک اشیا ہی کھاتا ہے۔ اِن کی متعدّد علامات ہیں اور ان کی جزئیات کا احاطہ ممکن نہیں، لیکن اِن کے اصول اس جانب لوٹتے ہیں جس کا ہم ذکر کریں گے۔

پس جب حارث المحاسبی رضی اللہ عنہ کے سامنے وہ کھانا پیش کیا جاتا جس میں شبہ ہوتا، تو آپ کی انگلی کو پسینہ آ جاتا۔ یا ابو یزید البسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ جب تک آپ سے حاملہ رہیں کبھی حرام کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ ایک دوسرے شخص کو کہا جاتا: پرہیز گاری اختیار کر۔ کسی کو الٹی آتی، کسی کے سامنے کھانا خون بن جاتا، کوئی اِس پر سیاہی دیکھتا، کوئی اِسے خنزیر دیکھتا، یا اِس جیسی دیگر مثالیں جن سے اللہ نے اپنے اولیا اور اصفیا کو مخصوص کیا۔

مطابق ہی دیکھا؟

اشیا میں حسن اور قبح:

یہی تو مذہب معتزلہ کو تقویت دیتا ہے کہ برائی بھی ذاتی ہے اور اچھائی بھی ذاتی ہے، اور درست ادراک اسی کا ہے جس نے حرام مشروب کو شراب دیکھا۔ کیونکہ اگر یہ برائی ذاتی نہ ہوتی تو اس شخص کا یہ کشف بھی درست نہ ہوتا۔ اور اگر اس کا عمل حرمت اور قبح والے خطاب کا عین تعلق ہوتا تو یہ کھانا بھی خنزیر کی صورت میں ظاہر نہ ہوتا، کیونکہ ابھی تو مکلف کا فعل واقع ہی نہیں ہوا اور اللہ نے اُس پر اِس کی صورت ظاہر کر دی، کہ یہ عمل قبیح ہے تاکہ وہ اسے کھانے سے اجتناب کرے، اس کے لیے بھی بعینہ یہی تصور ہے جو اسے اپنے حال کے مطابق عرف عام میں کھانا دیکھتا ہے، لیکن یہ شریعت میں بہتر ہے۔

سو اِس سے پتا چلا کہ جو اِسے عرف اور عادت میں کھانا دیکھتا ہے، تو اس کے اور شریعت کے قبح والے حکم کے مابین کچھ حائل ہوا۔ اگر کوئی شے وضعی قباحت سے قبیح ہوتی تو شارع کا یہ قول درست نہ ہوتا کہ یہ شے قبیح اور حسن ہے۔ کیونکہ یہ کسی شے کے بارے میں وہ کچھ کہنا ہے جس پر وہ شے نہیں، کیونکہ ہر عاقل، اور کلام کے عارف کے نزدیک احکام بلاشک وشبہ خبریں ہیں۔ بیشک اللہ نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ حرام ہے اور یہ حلال ہے۔ اسی لیے اس متعال نے اس کی مذمت کی جس نے اللہ سے روایت میں وہ کچھ کہا جو اللہ نے نہ کہا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ (النحل: ۱۱۶) اور اپنی زبانوں سے یونہی مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو۔ اُس نے حکم کو خبر سے جوڑا ہے، کیونکہ یہ بلاشک وشبہ خبر ہی ہے۔

لیکن اکثر اشیا میں انسان کو یہ قوت حاصل نہیں کہ وہ اشیا کے قبح اور حسن کا ادراک کر سکے۔ جب حق ہمیں ان کے بارے میں بتاتا ہے تو ہم جان جاتے ہیں، اور ان میں سے کچھ کا قبیح ہونا تو عقل سے بھی جانا جاتا ہے، جیسے ہمارے عرف میں جھوٹ اور محسن کی ناشکری، اسی طرح کچھ کا حُسن بھی عقلاً جانا جاتا ہے جیسے سچ اور محسن کی احسان مندی۔[1]

گناہ کا سچ کی بعض انواع سے متعلق ہونا اور اجر کا جھوٹ کی بعض انواع سے متعلق ہونا تو اللہ کے لیے ہے[2]؛ کہ وہ جس اچھے اور برے عمل پر چاہے اجر دے۔ یہ کسی شے کے اچھے یا برے ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر جھوٹ سے کسی مومن کی جان بچتی ہو تو اس پر اجر ملتا ہے، حالانکہ جھوٹ اپنی ذات میں برا ہے۔ اسی طرح سچ

[1] حسن اور قبح کے بارے میں شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے مقدمے میں یوں لکھتے ہیں: مسئلہ: حُسن و قبح حسین اور قبیح کی ذاتی صفات ہیں۔ لیکن ان میں ایسے بھی ہیں جس کا حسین اور قبیح ہونا کسی کمال یا عیب، غرض، طبیعت کی موافقت اور منافرت یا وضع سے ادراک میں آتا ہے۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ جس کا حسن و قبح صرف حق کی جانب یعنی شریعت سے ہی جانا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ قبیح ہے اور یہ حسین۔ اور شریعت میں ایسا بتایا گیا ہے یہ حکم نہیں۔ اسی لیے ہم نے وقت، حال اور شخص کی شرط کی بات کی۔...

پھر یہ بھی لازم نہیں کہ کسی بُری شے کا اثر بھی بُرا ہو، اُس کا اثر اچھا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کسی اچھی شے کا اثر بُرا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ سچ کا اچھا ہونا لیکن بعض مواقع پر اس کا اثر بُرا ہوتا ہے، یا جیسے کہ جھوٹ کا بُرا ہونا لیکن کسی جگہ اس کا اثر اچھا ہوتا ہے۔ پس ہم نے جس جانب تیری توجہ دلوائی اس کی تحقیق کر تو حق پائے گا۔

[2] یعنی کبھی سچ بولنے سے گناہ ملتا ہے جیسا کہ غیبت، اور جھوٹ بولنے سے اجر ملتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص غلط فہمی میں پھنس جائے تو جھوٹ سے اس کی جاں بخشی کروانا۔

جیسے کہ غیبت سے انسان گناہ گار ہوتا ہے، اگرچہ سچ اپنی ذات میں اچھا ہے۔ یہ شرعی معاملہ ہے وہ جسے چاہتا ہے فضل عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے، جیسا کہ اس نے کہا: ﴿يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهِۦ مَن يَشَآءُۚ وَٱللَّهُ ذُو ٱلۡفَضۡلِ ٱلۡعَظِيمِ﴾ (البقرة: ۱۰۵) وہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے عظیم فضل والا ہے﴾

جہنم میں ابلیس کا عذاب:

یہ جان کہ دوزخ میں سب سے سخت عذاب ابلیس کو ہو گا جس نے شرک اور ہر مخالفت کو رائج کیا۔[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آگ سے بنا ہے، سو اس کا عذاب بھی اسی سے ہے جس سے وہ تخلیق ہوا۔

کیا تو نے سانس پر غور نہیں کیا؛ کہ حسی جسم کی زندگی اسی سے ہے، لیکن اگر کسی کا گلہ گھونٹ دیا جائے اور سانس باہر نہ آسکے تو یہ واپس دل کی طرف لوٹ کر دل کو جلا دیتا ہے اور وہ شخص اسی وقت ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس سانس ہی اس کی زندگی ہے اور سانس ہی اس کی موت ہے، سانس سے اس کی موت ایسے ہے کہ وہ سانس لیتا ہے، صرف اس لیے نہیں کہ وہ سانس لینے والی مخلوق ہے، اور صرف سانس لینے سے بھی موت نہیں بلکہ اس لیے کہ قوت جاذبہ سے وہ ٹھنڈی ہوا (یعنی آکسیجن) دل تک پہنچاتا ہے اور قوت دافعہ سے گرم ہوا (یعنی کاربن ڈائی آکسائیڈ) باہر نکالتا ہے، انہی احوال سے تو اس کی زندگی ہے۔

سو جو سانس لینے والا آگ میں ڈالا جائے گا، اس کے ساتھ دو ہی صورتیں ہوں

[1] اس شبہے کا جواب شیخ اکبر نے آگے دیا ہے: کہ ابلیس نے خود تو شرک نہیں کیا پھر وہ ابدی عذاب کا حق دار کیوں؟۔

گی: یا تو وہ آگ میں سانس نہیں لے سکے گا، تو اس کی حالت ایسی ہو گی جیسے کسی نے اسے رسی سے پھانسی دے دی، سو اس کا سانس اسے مار دے گا۔ یا پھر وہ سانس لے گا، اور قوت جاذبہ سے گرم ہوا دل تک پہنچائے گا،[1] جو جب دل تک جائے گی تو اسے جلا دے گی۔ اسی لیے ہم نے سبب حیات میں ان تمام امور کا ذکر کیا ہے۔

ابلیس کو جہنم میں شدید سردی سے عذاب دیا جائے گا، کیونکہ یہ اس آگ کے بر خلاف ہے جو نشات ابلیس کی اصل ہے، لہذا اس کا عذاب شدید ٹھنڈ سے ہو گا، یا پھر مرکب آگ سے۔ چونکہ اِس میں ہوا، پانی اور مٹی بھی ہے، سو لازم ہے کہ وہ ایک مخصوص طرز پر آگ سے بھی عذاب پائے۔ اور اس کو عمومی عذاب تو اس کے الٹ عنصر سے ہو گا جو اس کی اصل تخلیق میں شامل ہے۔[2] آگ بھی دو طرح کی ہے: ایک حسی آگ جو حواس اور حیات، ظاہری اور باطنی جسم پر مسلط ہو جاتی ہے۔ اور دوسری وہ معنوی آگ جو دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اور اِسی سے تو اُس کے جسم کی تدبیر کرنے والی روح کو عذاب ہو گا، وہ جسے حکم ہوا اور جس نے حکم نہ مانا۔ اس کی مخالفت نے اسے عذاب دیا، اور یہ اس کی عین جہالت تھی کہ جس پر اس نے تکبر کیا۔

یوم التغابن اور یوم حسرت کا مطلب:

پس ارواح پر جہالت سے بڑا کوئی عذاب نہیں، اور یہ روز سارے کا سارا دھوکا

---

[1] آگ کو جلنے کے لیے اکسیجن درکار ہے یہ ہوا اسے اکسیجن کو ختم کرتی ہے اگر ایسی جگہ سانس لیا جائے گا تو انسان کا دم گھٹے گا اور اکسیجن نہ ہونے کے باعث اس کی موت ہو جائے گی۔

[2] اسی نکتے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۹ میں لکھتے ہیں:

ابلیس جِنات میں سے پہلا بد بخت ہے اور جہنم میں شیاطین جِنّات کو زیادہ ٹھنڈ کا عذاب ہو گا، اور ہو سکتا ہے انہیں آگ کا عذاب بھی ہو۔

ہے۔ اسی لیے تو اس کا نام "یوم تغابن" (یعنی خسارے کا دن) ہے مطلب نفوس کے عذاب کا دن، وہ کہتا ہے: ﴿يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ﴾ (الزمر: ۵۶) جو کچھ میں نے کیا اس پر حسرت۔ یہ "روز حسرت" بھی ہے؛ یعنی یوم کشف۔ عربی میں حسرت کا مطلب کسی چیز کا ظاہر ہونا ہے، گویا کہ وہ کہہ رہا ہے: کاش یہ معاملہ مجھ پر دنیا میں ہی کھل جاتا تو میں اپنے معاملے میں بصیرت پر ہوتا، وہ خود کو خسارے میں شمار کرے گا، اور اس روز ہر اطاعت گزار اور نافرمان خسارے کا ادراک کرے گا۔ اطاعت گزار کہے گا: کاش میں نے پوری کوشش کی ہوتی، اور اپنی استطاعت کے مطابق حق ادا کیا ہوتا، اپنے رب کا کلام سمجھا ہوتا، اُس کے مطابق عمل کیا ہوتا، حالانکہ وہ خوش بخت ہو گا۔ جبکہ مخالف کہے گا: کاش میں نے ان معاملات میں اپنے رب کی مخالفت نہ کی ہوتی جن کا اس نے مجھے حکم دیا۔[1] سو قیامت خسارے کے ادراک کا روز ہے۔ یہ سب روز قیامت کے باب میں آئے گا، ان شا اللہ۔

نفس الرحمن اور جہنم:

چونکہ ہم نے تجھے مرتبہ نفس اور تنفس کا بتایا، ہم نے یہ سب اس لیے بتایا تاکہ تجھے یہ پتا چلے کہ جہنم چونکہ اہل جہنم کی تکالیف کا گھر ہے تو یہ غضبِ الٰہی کی صفت ہے، اور اس کا وجود رحمانی الٰہی تنزل سے مخصوص ہے، ایک صحیح خبر میں "نفس الرحمن"

---

[1] شیخ اکبر نے باب نمبر ۷۱ میں اِسی بات کو ایک دوسرے انداز میں یوں بیان کیا: بیشک روز قیامت ہر ایک کے لیے خسارے کے ادراک کا روز ہے۔ خوش بخت کہے گا: اے کاش میں نے اور زور لگایا ہوتا، اور بد بخت کہے گا: ہائے حسرت کہ میں یہ کیا کرتا رہا۔ اسی لیے اسے روز حسرت بھی کہتے ہیں کیونکہ وہاں یہ سب ظاہر ہو گا۔ لیکن عارفین اس خسارے کے ادراک سے بچ جائیں گے کیونکہ انہوں نے یہ ادراک دنیا میں ہی کر لیا۔

کا صفت غضب کے حوالے سے بھی ذکر آیا ہے، لہٰذا تنفس اس تک صفت غضب پہنچاتا ہے کہ جو اِس کی لپیٹ میں آتا ہے۔ اسی لیے جب "دائیں جانب سے آپ ﷺ کو نفس الرحمن آتا محسوس ہوا" تو کفار غضبِ الٰہی کی لپیٹ میں آئے کہ انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے۔[1] اور اللہ نے اس عمل سے اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کو راحت بخشی، کیونکہ جب کوئی غضب ناک کسی کو اپنے غضب کا شکار کرتا ہے تو اس سے غضب کا الم جاتا رہتا ہے۔

محمد ﷺ میں یہ صورت یعنی صفتِ غضب مکمل ہوئی اور کافروں کو اپنی لپیٹ میں لیا کیونکہ انہوں نے کلمۃ اللہ کا رد کیا۔ پس الرحمن نے آپ کو قتال کا حکم دے کر غضب کو ختم کیا، آپ کے اصحاب اور انصار سے یہ کام کروایا، پس راحت کو پایا۔ کیونکہ یہاں وہ لوگ موجود تھے جو غضب کا شکار ہوئے۔ اس مثال سے اہل دوزخ کی تکالیف کو سمجھ، کہ غضب الٰہی کی حجابی محمدی صورت نے اللہ کے دشمنوں کا کام تمام کیا، اسی طرح (جہنم کی) تکالیف دشمنان خدا پر قہر بن کر ٹوٹیں، اور اللہ نے اپنے دین–جو کہ اس کا حکم اور کلام ہے، اور یہ اس کی مخلوق میں بعینہ اس کا علم ہے، اور اس جل وعلا کا علم ذاتی ہے– کو راحت پہنچائی۔ ہم نے تجھ پر جہنم کا وہ پہلو تو واضح کیا جو اس کے دار ہونے کی حیثیت سے ہے؛ اب ہم اس سے اگلے باب میں اہل دوزخ کے مراتب واضح کرتے ہیں۔

[1] یہاں شیخ اکبر یہ بتا رہے ہیں کہ نفس الرحمن سے جب مومنین کو راحت ملتی ہے تو اسی نفس الرحمن سے کافرین کو عذاب ہوتا ہے۔ جب انصار سے دین اللہ کو راحت ملی تو کفار عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آئے۔

جہنم کے درکات:

یہ بھی جان کہ اللہ نے اس میں ایک سو درکات بنائے ہیں، یہ درجاتِ جنت کے مقابل ہیں۔ ہر درکے سے مخصوص لوگ ہیں، ان کے لیے غضب الٰہی سے مخصوص تکالیف ہیں۔ اور ان کے عذاب پر وہ حاکم فرشتے متعین ہیں جن کا ذکر ہم نے اس کتاب کے پچھلے باب میں کیا، (ان کے نام یہ ہیں) القائم، الإقليد، الحامد، النائب، السادن، الجابر۔ یہ وہ حاکم فرشتے ہیں جو انہیں اللہ تعالی کے حکم سے عذاب دیں گے۔ جبکہ مالک[1] جہنم کا داروغہ ہے۔ جہاں تک ان کے ساتھ باقی نگرانوں کی بات ہے تو وہ یہ ہیں: الحائر، السائق، الماتح، العادل، الدائم، الحافظ۔

جہنم اور جنت کی نشات:

یہ سب جنتیوں اور جنت کے داروغہ "رضوان" کے ساتھ ہوں گے، یہ دوزخیوں کی بھی ویسے ہی امداد کریں گے جیسے یہ جنتیوں کی کرتے ہیں۔ کہ یہ ان کے حقائق کے مطابق اُن کی امداد کرتے ہیں، اور ان کے حقائق تبدیل نہیں ہوتے۔ لہذا ان دو گھروں کا ہر گروہ یہ سب اپنی نشات کے حساب سے قبول کرے گا،[2] اس جگہ کے

---

[1] شیخ لکھتے ہیں کہ جہنم کا داروغہ مالک ہے اور جہنم ایک قید خانہ ہے، مالک کا مطلب ہے شدید سخت۔ عربی کہاوت میں کہا جاتا ہے: ملكت العجين آٹا سخت ہو گیا کہ اسے گوندھا گیا۔

[2] یہاں پر شیخ نے اس جانب اشارہ کیا کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کی نشات میں فرق ہے، اور دار آخرت میں عذاب اسی نشات کے قبول کرنے والی صلاحیت کے اعتبار سے ہو گا۔ اسی لیے اس کے بعد آپ نے جب اہل جنت کی نشات کا تذکرہ کیا تو ساتھ یہ دعا بھی کی کہ اللہ ہمیں بھی اہل جنت کی نشات میں اٹھائے۔ مزید یہ بھی بتا دیا کہ اہل جنت کی نشات حق کی

باعث اسی سے عذاب ہو گا جو نعیم بھی دے گا۔ جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ جسے ٹھنڈ لگی ہو وہ سورج کی روشنی سے حرارت پاتا ہے، اور جسے گرمی لگی ہو وہ اس سے تکلیف اٹھاتا ہے۔ سو ایک شے سے ایک نے راحت پائی جبکہ اسی سے دوسرے نے تکلیف اٹھائی۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اس جہان میں نعمت والوں جیسا بنائے، جیسا کہ اللہ تعالی نے نیک لوگوں کے بارے میں بتایا: ﴿تَعۡرِفُ فِيۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِ﴾ (المطففین: ۲۴) تو ان کے چہروں میں نعمت کی چمک دمک دیکھے گا۔ یعنی وہ اپنی تخلیق میں ہی اس صفت پر ہوں گے، جبکہ اہل دوزخ کی نشات اہل جنت سے مختلف ہو گی۔ بیشک جنت کی نشات حق سبحانہ کی جانب سے خاص حاکم فرشتوں کے ہاتھوں سے ہے، جبکہ اہل دوزخ کی نشات حاکموں، دربانوں، نقباء کی کثرت پر محافظوں کے ہاتھوں سے ہے، بیشک ان کی اصل تعداد سے اللہ ہی واقف ہے۔ ان میں سے ہر فرشتے کا اس دنیاوی نشات [1]، نشات دوزخ اور اہل دوزخ کی نشات میں ایک حکم ہے جو اللہ نے اس

جانب سے خاص حاکم فرشتوں کے ہاتھوں ہے جبکہ اہل دوزخ کی نشات مختلف طبقات کے فرشتوں کے ہاتھوں ہے اور اِس دنیاوی نشات میں بھی انہی فرشتوں کا ایک حکم ہے۔

[1] اپنی کتاب تاج التراجم میں اس نکتے کو یوں بیان کیا:

اشارہ: حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اشیا کو ان کے درست مقام پر رکھا جائے۔ یہ بھی حکمت ہے کہ صورتوں کو اس ٹھکانے کے تقاضے کے سبب۔ جس میں یہ تھیں۔ لوٹایا جائے، آخرت کا ٹھکانا دنیا کے ٹھکانے جیسا نہیں، لہذا دنیا کی نشات بھی آخرت کی نشات جیسی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ جیسا کہ آپ علیہ السلام نے اسے (یعنی آخرت کو) اہلِ نعمت کے حق میں خالص، نرم، حسین اور اعتدال والی (نشات قرار دیا) اور اہل جہنم کے لیے اِس کے

کے زیر تصرف کیا، ان کی مثال بادشاہت کے مزدوروں کی سی ہے، جو رہنے والے گھر بناتے ہیں۔ ان شاء اللہ جنت اور اہل جنت کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ اللہ ہی حق بات کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

الخ۔ بیشک دنیا گندی اور تبدیل ہونے والی ہے، اِس کی نشات بیمار خستہ حال اور اندھیر ہے، یہاں سے جانا بھی لازمی ہے لہذا اِس نشات سے جان چھوٹنا بھی لازم ہے۔

باب نمبر باسٹھ
اہل دوزخ کے مراتب

[اشعار]

آگ کے مراتب (یعنی درکات) کا فرق اعمال سے ہے، اِن میں اختصاص اور میراث نہیں۔ اور اُسے "افعال" کے وزن پر عذاب ہو گا، اور اِس میں خوشخبری ہے، اگرچہ دوزخ میں وہ اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب پائیں گے۔ وہ کبھی دوزخ سے باہر نہیں آئیں گے، اگر باہر آئیں گے تو بھی عذاب پائیں گے، سو ان کے لیے ذلت بھی ہے اور عزت بھی۔ اُن کی ذلت تو ہمیشہ دوزخ میں رہنے سے ہے، اور اُن کی عزت کی کوئی حد نہیں اگر وہ اسے ہمارے قول میں پائیں، اگر تم علوم وہب میں تحقیق والی نظر سے اس قول میں غور کرو تو یہ اعجاز ہے، اس میں اچھوتا اختصار ہے، اس کے الفاظ اچھے ہیں اور اس میں آیات کے لطائف اور ایجاز ہے۔ اُس جلیل نے ان سے کہا، اے مجرمو! آج اہل حق سے الگ ہو جاؤ۔ جیسے تو بادشاہوں کو ان کی آسائشوں میں دیکھتا ہے، اور اہل کشف کے نزدیک انہوں نے ریشم کے لباس پہن رکھے ہیں، اور دوزخ میں ان کے اجسام ایسے ہیں جیسا کہ اس نے کہا: اکھڑی کھجور کے تنے ہیں۔

جہاں تک ہم نے "افعال" کے وزن پر کہا تو میری مراد اللہ تعالی کا یہ قول ہے:
﴿لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾ (النباء:۲۳) وہ اس میں (احقابا یعنی) مدتوں پڑے رہیں

گے۔اور یہ جمع قلت[1] کے اوزان میں سے ہے، بیشک جمع قلت کے اوزان چار ہیں: افعُل جیسے اکلب، افعال جیسے احقاب، فعلہ جیسے فتیہ، اور افعلہ جیسے احمرہ۔ ایک شاعر نے انہیں ایک ہی شعر میں جمع کیا ہے:

افعُل، افعال، افعلہ اور فعلہ عدد قلت کو جمع کرتے ہیں۔

ابلیس کا بہکانا:

اللہ تعالی ابلیس پر اپنی کرم فرمائی اور عمومی رحمت سے کہتا ہے، جب ابلیس نے کہا: ﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (۶۲) قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (۶۳) وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ (الاسراء: ۶۲—۶۴) دیکھ تو یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ سے فضیلت دی، اگر تو مجھے روز قیامت تک کی مہلت دے تو میں اس کی اولاد میں چند کو چھوڑ کر سب کا صفایا کر دوں گا۔ فرمایا: اچھا جا کر لے، ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ پورا بدلہ ہے۔ ان میں سے جنہیں بہکا سکتا ہے اپنی آواز سے بہکا، ان پر اپنے لاؤ لشکر اور پیادے چڑھا، ان کے مال و اولاد میں ان کا شریک بن جا، اور انہیں لارے لگا۔ اب ابلیس جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے حکم سے کرتا ہے۔ یہ وہ امر الہی ہے جو وعید اور تہدید پر مبنی ہے، یہ ہمارے لیے بڑی سخت آزمائش ہے، تاکہ اللہ تعالی اسے یہ دکھائے کہ اولاد آدم میں وہ بھی ہیں کہ جن پر ابلیس کا کوئی زور نہیں۔

پھر وہ بندے جنہیں اللہ نے بے یار و مددگار چھوڑا، تو انہیں دو گروہ بنایا: ایک وہ

[1] جمع قلت وہ جمع ہے جو تین سے دس تک بولی جائے۔

گروہ جنہیں ان سے سرزد ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے،[1] یہ اس کا کہنا ہے: ﴿وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا﴾ (البقرۃ: ۲۶۸) اور اللہ تم سے اپنی خاص مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اب انہیں آگ نہیں چھوئے گی کہ اللہ نے انہیں معاف کیا اور ملا اعلیٰ والوں نے ان کے لیے استغفار اور دعا کی۔ اور دوسری وہ جماعت ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ (آل عمران: ۱۱) جنہیں اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا۔ اور انہیں بھی دو گروہوں میں تقسیم کیا، ایک وہ گروہ جسے اللہ نے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اور الٰہی عنایت کے باعث دوزخ سے نکالا، یہ مومنین میں سے اہل کبائر اور نظر عقلی سے اہل توحید ہیں۔ اور دوسری وہ قسم جنہیں اللہ نے آگ میں ہی چھوڑ دیا۔

اصل دوزخی یعنی مجرم لوگ:

یہی لوگ اصل دوزخی ہیں اور یہی خاص مجرم ہیں، کہ ان کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ﴿وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (یس: ۵۹) اے مجرمو! آج تم الگ ہو

---

[1] یہ وہ لوگ ہیں کہ گناہ کرنے کے بعد جب وہ توبہ اور استغفار کرتے ہیں تو اللہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔ لہٰذا ان کے گناہ انہیں نقصان نہیں پہنچاتے۔

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے: میرا بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب بخش دے، اللہ کہتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ جان گیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخشتا بھی ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے، پھر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے یہاں تک کہ آپ نے تین یا چار مرتبہ یہ الفاظ دہرائے اور آخری مرتبہ میں رب نے کہا: اب تو جو مرضی کر میں نے تجھے بخش دیا۔ اسی طرح ان میں ایک مقام ان بندوں کا بھی ہے کہ جنہیں اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر مطلع کیا تو انہوں نے توبہ سے اللہ کی طرف آنے میں تیزی دکھائی، سو جب توبہ کی تو دیکھا کہ یہ نیکیوں میں تبدیل ہو گئے ہیں، ایسے لوگ بھی مغفور ہیں۔

جاؤ۔ یعنی وہ لوگ جو اس جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے حق دار ہو، وہ جو اس جہنم کو بھرو گے، اُن سے الگ ہو جائیں جو اِس سے نکل کر جنت میں جائیں گے۔

یہ مجرم لوگ چار گروہ ہیں، اور یہ چاروں ہی دوزخ میں رہیں گے، کہ اس سے باہر نہیں آئیں گے: ان میں اول اللہ پر تکبّر کرنے والے ہیں، جیسے فرعون اور اِس جیسے وہ لوگ جنہوں نے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور پھر اللہ سے اس کی نفی کی، وہ کہتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي﴾ (القصص: ۳۸) اے جماعت! میں نہیں جانتا میرے سوا بھی تمہارا کوئی الہ ہے﴾اور کہا: ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (النازعات: ۲۴) میں ہی تمہارا سب سے بڑا ربّ ہوں۔ اس کی مراد یہ تھی کہ آسمان میں بھی میرے سوا کوئی الہ نہیں، اور اسی طرح نمرود اور دیگر لوگ۔[1]

دوسرا گروہ مشرکین کا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بناتے ہیں، کہتے ہیں: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ (الزمر: ۳) ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ اور کہتے ہیں: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص: ۵) کیا اِس (پیغمبر) نے سب خداؤں کو ایک کر دیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

تیسرا گروہ (معطلہ یعنی) ملحدین کا ہے؛ یہ وہ لوگ ہیں جو الہ کا سرے سے ہی انکار کرتے ہیں، نہ یہ عالم کا کوئی خدا مانتے ہیں اور نہ عالم میں کوئی خدا مانتے ہیں۔

چوتھا گروہ منافقین کا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان تین گروہوں میں سے کسی ایک میں ہونے کے باوجود اسلام ظاہر کیا، اس مجبوری کے باعث جس میں یہ مجبور تھے، لہذا اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو بچایا، لیکن ان کا اصل عقیدہ کچھ اور تھا، اور یہ

---

[1] متکبّرین میں ہر وہ شخص آجاتا ہے جو فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

ان تین عقیدوں میں سے ہی ایک تھا۔

ابلیس کیسے گمراہ کرتا ہے:

یہ چار گروہ جن وانس میں وہ دوزخی ہیں جو اس سے باہر نہیں نکلیں گے۔ یہ چار اِس لیے ہیں کہ اللہ تعالی نے ابلیس کے بارے میں بتایا کہ وہ ہمارے آگے سے آئے گا اور ہمارے پیچھے سے، ہمارے دائیں سے اور ہمارے بائیں سے۔ پس مشرک کو وہ سامنے سے ملتا ہے، ملحد کو پیچھے سے، متکبر کو دائیں جانب سے اور منافق کو بائیں جانب سے؛ کہ یہ کمزوری کا مقام ہے، اور یہی سب سے کمزور طبقہ ہے، ویسے ہی جیسے بایاں دائیں سے کمزور ہے۔ متکبر کو دائیں جانب اس لیے کیونکہ قوت کی جا ہے، اس نے اپنی قوت سے تکبر کیا، وہ قوت جو اسے خود میں محسوس ہوئی۔ مشرک کو آگے سے اس لیے کیونکہ وہ اپنی آنکھوں کی جہت میں اپنے سامنے دیکھتا ہے اور اللہ کے وجود کا اثبات کرتا ہے، وہ اِس کا انکار نہیں کر پاتا، یوں ابلیس اللہ کی الوہیت میں اس کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اور ملحد کو پیچھے سے؛ کیونکہ پیچھے کچھ نظر نہیں آتا، سو ابلیس کہتا ہے: یہاں کچھ نہیں۔ یعنی وجود میں الہ نہیں۔[1]

جہنم کے ابواب، منازل اور درکات:

پھر اللہ تعالی نے جہنم کے بارے میں فرمایا: ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ﴾ (الحجر: ۴۴) اِس کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ہر دروازے میں ان کا ایک مقسوم حصہ ہے۔ ان کے لیے یہ چار مراتب ہیں، اور جہنم کے

---

[1] یہاں شیخ اکبر نے کیسی خوبصورت مثال سے یہ بات سمجھائی ہے کہ جو چار گروہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے، ان کے بھٹکنے میں شیطان کا بھی ہاتھ ہے۔

ہر دروازے میں ایک مقسوم حصہ ہے؛ جو کہ ان کے عذاب کی منازل ہیں۔ پس اگر تو ان چار مراتب کو جن سے ابلیس ان کی جانب آیا ان سات دروازوں سے ضرب دے، تو جواب اٹھائیس منازل آتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے "مفرد انسان" یعنی چاند اور خنس اور کنس والے دیگر سیاروں کے لیے یہ منازل بنائیں ہیں کہ وہ ان میں چلتے اور ٹھہرتے ہیں، تاکہ موجودات ایجاد پذیر ہوں۔ اس چلنے سے عالم عنصری میں افعال وجود پذیر ہوتے ہیں۔ بیشک یہ سیارے چار طبائع میں محصور ہیں اگر ان چار کو ان سات ستاروں سے ضرب دی جائے تو اس سے اٹھائیس منازل سامنے آتی ہیں۔ یہ اس قوت اور علم والے کی تقدیر ہے، جیسا کہ اس نے بتایا: ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۳۳) یہ سب اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔

ان اٹھائیس مقامات میں چلنے سے اٹھائیس حروف وجود پذیر ہوئے، جن سے اللہ نے کلمات بنائے، اس جہان میں کفر اور ایمان کا ظہور ہوا، کہ ہر شخص نے اپنا مافی الضمیر بتایا، کسی نے کفر کیا تو کوئی ایمان لایا، کسی نے تصدیق کی تو کسی نے جھٹلایا۔ تاکہ اللہ کی اپنے بندوں پر ان کے بولے گئے الفاظ سے حجت قائم ہو جائے، پھر اُس نے فرشتوں کو ان پر نگہبان بنا کر بٹھایا کہ جو کچھ یہ بولتے ہیں وہ لکھتے جاتے ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾ الانفطار: ۱۱) اور فرمایا: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق: ۱۸) یہ جو لفظ بھی بولتا ہے تو اس کے پاس ایک نگران اسے لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

اس نے جہنم کی اٹھائیس منازل بنائیں، اور اس جہنم کے اوپر سے لے کر نیچے تک سو درکات ہیں؛ یہ جنت کے ان درجات جیسے ہیں جن میں خوش بختوں

کا قیام ہے۔[1] ان میں سے ہر درکے کی اٹھائیس منازل ہیں۔ اگر تو اٹھائیس کو سو سے ضرب دے گا تو جواب اٹھائیس سو آئے گا۔ سو اٹھائیس ہمارے ساتھ ہے اور یہ دوزخ کی منازل ہیں۔

ان چار گروہوں میں سے ہر ایک کو سات سو قسم کا عذاب ہو گا۔ یہ چار گروہ ہیں، تو کل ملا کر اٹھائیس سو عذاب ہوئے۔ جیسا کہ اہل جنت کو اسی قدر ثواب ہو گا جو اُن کے صدقات سے واضح ہوا ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ (البقرۃ: ۲۶۱) جس کی مثال ایک بیج کی سی ہے جس سے سات خوشے نکلے اور ہر

---

[1] فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۹۶ میں شیخ فرماتے ہیں: اللہ ہمیں اور آپ سب کو توفیق دے، یہ جانو کہ جنت کے درجات جہنم کے درکات کے حساب سے ہیں؛ سو جنت کے ہر درجے کے مقابل جہنم میں ایک درکہ ہے۔ وہ اس لیے کہ انسان امر ونہی سے عاری نہیں، یا وہ امر پر عمل کرے گا یا نہیں کرے گا؛ اگر اُس نے اِس پر عمل کیا تو وہ جنت میں اِس عمل سے مخصوص معین درجہ پائے گا، لیکن اگر انسان نے اس پر عمل نہ کیا تو عمل سے مخصوص اس درجے کے مقابل جہنم کا ایک درکہ ہے؛ کہ اگر جنت میں اس درجے سے کوئی پتھر نیچے پھینکا جائے تو وہ جہنم کے اس درکے تک جائے گا۔ سو جب کوئی انسان وہ عمل نہیں کرتا جس کے کرنے کا اسے حکم دیا جاتا ہے تو وہ جنت کے اس درجے کو چھوڑ کر جہنم کے اس درکے میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ﴾ (الصافات: ۵۵) جب مطلع ہوا تو اپنے ساتھی کو برابری والی جہنم میں پایا۔ مطلع ہونا یعنی اوپر سے نیچے دیکھنا، اور برابری مطلب دونوں مقامات کی برابری اور اعتدال، اس نے اسے اسی درکے میں دیکھا جو جنت کے اس درجے کے مقابل تھا۔ کہ اس شخص نے عمل سے جنت کا یہ درجہ پایا، اور اس کے ساتھی نے عمل نہ کر کے جہنم کا وہ درکہ پایا، اس عدل الٰہی پر غور کر کہ یہ کتنا بہترین ہے۔

خوشے میں سو دانے ہوں﴾ یہ بھی سات سو ہوئے۔ اہل جنت بھی چار گروہ ہیں: رسول، انبیا، اولیا اور مومنین۔ ان چاروں میں سے ہر ایک صدقہ کرنے والے کو اس کے عمل میں سات سو گنا اجر ملے گا۔ اب غور کر کہ قرآن اپنے اس شافی بیان میں کس قدر عجیب ہے، جنت اور دوزخ میں نعمت اور عذاب کے بدلے میں مخلوق کا کیا خوب موازنہ کیا تاکہ عدل قائم ہو جائے۔

جہنم میں اختصاص نہیں:

اہل جنت اور اہل دوزخ میں یہی ایک قدر مشترک ہے، یعنی جنت کے درجات اور جہنم کے درکات برابر ہیں، ان کا امتیاز ایک دوسری چیز میں ہے؛ وہ یوں کہ دوزخ جنت سے اس طرح ممتاز ہوئی کہ دوزخ میں اختصاص الٰہی کا درکہ نہیں، اور نہ ہی اللہ کی طرف سے اختصاص الٰہی کا عذاب ہے۔ کیونکہ اللہ نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ وہ جسے چاہے اپنے انتقام کا نشانہ بنائے، جیسا کہ اس نے بتایا ہے ﴿يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ: ۱۰۵) کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت اور فضل سے مخصوص کرتا ہے۔ پس جنت اپنی نعمتوں کے میزان میں اہل دوزخ کے عذاب سے مختلف ہے۔ اہل دوزخ کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی، اس کے سوا نہیں، جبکہ اہل جنت اپنے اعمال کی نعمتیں بھی پائیں گے اور اختصاصی جنتوں میں اختصاصی نعمتیں بھی پائیں گے۔

جنت کی اقسام:

اہل سعادت کے لیے تین جنتیں ہیں: اعمال کی جنت، اختصاص کی جنت، اور میراث کی جنت۔ وہ اس لیے کہ جن وانس میں موجود ہر شخص کا ایک ٹھکانہ جنت میں ہے تو ایک ٹھکانہ دوزخ میں ہے، ایسا اِس کے اصلی امکان سے ہے۔ کیونکہ اس کے

وجود پذیر ہونے سے قبل یہ امکان تھا کہ وہ عدم میں ہی پڑا رہتا یا پھر وجود پذیر ہوتا۔ اسی حقیقت سے وہ نعیم اور عذاب قبول کرتا ہے۔ جنت سب کی طالب ہے اور سب جنت کے طالب ہیں۔ اسی طرح دوزخ بھی سب کی طالب ہے اور سب اِس کے طالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (النحل: ۹) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا؛ یعنی تم اسے قبول کرتے، لیکن کلمہ حق ہوا، علم سابق ٹھہرا اور مشیت نافذ ہوئی۔ کوئی اس کا امر لوٹا نہیں سکتا اور کوئی اس کا حکم ٹال نہیں سکتا۔[1]

اہل جنت اپنے اعمال کی جنت میں بھی جائیں گے، اور ان کے لیے میراث کی جنت بھی ہے؛ اگر دوزخی بھی جنت میں آتے تو انہیں یہ جگہیں مل جاتیں، اسی طرح اہل جنت کے لیے اختصاص کی جنتیں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (مریم: ۶۳) یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اتقیا کو بنائیں گے﴾ یہ جنت جو انہیں وراثت میں ملی یہ اُن دوزخیوں کے ٹھکانے ہیں جو اہل دوزخ ہیں[2]، کیونکہ اللہ کے علم میں نہیں تھا کہ وہ اس میں جائیں گے۔ اِس نے اہل دوزخ کے بارے میں یہ نہیں کہا: کہ وہ دوزخ میں اہل جنت کی جگہیں وراثتاً پائیں گے؛ اگر وہ جنتی دوزخ میں داخل ہوتے۔ یہ رحمت کے سابق ہونے اور اس

---

[1] یہاں پر شیخ نے جنت اور دوزخ کی وسعت اور ازلی طلب کا بتایا ہے یعنی جنت اور دوزخ دونوں اس قدر وسیع ہیں کہ ان دونوں میں ہر شخص کی جگہ ہے۔ پس جنت اور جہنم دونوں ہی ہر شخص کی طالب ہیں اور ان دونوں میں ہر شخص کے لیے ٹھکانہ ہے۔

[2] یعنی جنت میں یہ وہ جگہیں ہیں کہ اگر دوزخی دوزخ میں نہ جاتے تو یہاں آتے، لیکن ان کا ابدی ٹھکانہ دوزخ ہے تو یہ خالی جگہیں اللہ تعالیٰ میراث کی شکل میں اپنے بندوں میں سے اتقیا کو دے دے گا۔

سبحانہ کے عمومی فضل سے ہے۔

دوزخی دوزخ میں اپنے اعمال کے باعث پہنچے۔ اس لیے دوزخ میں خالی جگہیں رہ جائیں گی، یہ وہی جگہیں ہیں کہ اگر اہل جنت دوزخ میں جاتے تو بھر جاتیں۔ پس اللہ ایسی مخلوق تخلیق کرے گا جو اسے بھر دے گی، یہ مخلوق ایسے مزاج پر ہو گی کہ اگر جنت میں جائے تو عذاب پائے۔ یہ آپ ﷺ کا کہنا ہے: "پھر الجبار اس پر اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی: بس کافی ہے کافی ہے۔"[1]

وہ متعال اس سے پوچھے گا: ﴿هَلِ امْتَلَأْتِ؟ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ (ق: ۳۰) کیا تو بھر گئی، تو وہ کہے گی: کیا اور بھی ہیں؟ اُس نے جنت اور دوزخ دونوں کے لیے کہا: تم دونوں ان سے بھر جاؤ گی۔ ان کے ساتھ یہی ایک شرط رکھی کہ وہ انہیں مخلوق سے بھر دے گا، یہ شرط نہیں رکھی کہ جن سے بھرے گا انہیں عذاب یا راحت بھی دے گا۔ بیشک جنت دوزخ سے بڑی ہے، کہ اس کی چوڑائی ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ﴾ (آل عمران: ۱۳۳) زمین و آسمان کے برابر ہے۔ اس کی لمبائی کے بارے میں تیرا کیا

---

[1] یہ متّفق علیہ حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جنت اور دوزخ جھگڑا کرتے ہوئے رب تعالی کے پاس گئیں، جنت نے کہا: یاربّ! مجھ میں تو زیادہ تر کمزور اور غیر اہم لوگ ہی ہیں۔ اور دوزخ نے کہا: سارے متکبرین تو میرے پاس ہیں۔ تو اس پر اللہ نے جنت سے کہا: تو میری رحمت ہے، اور دوزخ سے کہا: تو میرا عذاب ہے، اور میں اپنی مشیت کے مطابق تم سے مخلوق کو بھروں گا۔ جنت میں اللہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ کے لیے وہ ایسی مخلوق تخلیق کرے گا جو اس میں ڈالے گا، تو وہ تین مرتبہ کہے گی: کیا اور بھی ہیں؟ یہاں تک کہ الجبار اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ بھر جائے گی اور کہے گی: بس کافی ہے۔

گمان۔ دوزخ کے مقابلے میں یہ دائرے کے اُس محیط کی مانند ہے کہ جس نے اسے گھیر رکھا ہے۔ تنزلات موصلیہ نامی کتاب میں ہم نے ایک خاکہ بنا کر یہ واضح کیا ہے کہ یہ درحقیقت کیسی ہے، یہ خاکہ سوموار کے باب میں ہے۔ دوزخ کی چوڑائی اس خط کی مانند ہے جو ثابت سیاروں کے فلک کو کاٹتا ہے۔ کہاں یہ تنگی اور کہاں وہ وسعت۔

اختصاص کی جنتیں:

اس وسعت کا سبب: اختصاص الٰہی کی جنتیں ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنت میں بھی ایسی جگہیں بچ جائیں گی جہاں کوئی نہ ہو گا، اور اللہ ان میں ایسی مخلوق کو تخلیق کرے گا جو نعمت کے لیے انہیں بھر دے گی۔ وہ یوں کہ الرحمن وہاں اپنا قدم رکھے گا۔ اور ایسا صرف اختصاص کی جنتوں میں ہو گا ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ (المؤمن: ۱۲) پس سارا حکم تو اللہ العلی الکبیر کا ہے۔ ﴿يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (البقرۃ: ۱۰۵) وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے، اور وہ بڑے عظیم فضل والا ہے۔ یہ اُس کا کرم ہی ہے کہ اس نے دوزخیوں کو دوزخ میں صرف ان کے اعمال کے سبب ڈالا۔

جہاں تک اس متعال کا یہ کہنا ہے: ﴿زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ﴾ (النحل: ۸۸) کہ ہم انہیں عذاب سے بڑھ کر عذاب دیں گے تو ایسا صرف مخصوص گروہوں کے ساتھ کیا جائے گا؛ یہ "گمراہی کے امام" ہوں گے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (العنکبوت: ۱۳) وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ مزید بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے بندوں کو گمراہ کیا، انہیں گمراہ کرنے والے شبہات میں ڈالا، انہیں لے کر سیدھے راستے سے ہٹ گئے، سو خود بھی گمراہ ہوئے اور انہیں بھی گمراہ کیا۔ اُن سے کہا: ﴿اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ

خَطٰیٰکُمۡ﴾ (العنکبوت: ۱۲) تم ہمارے پیچھے چلو ہم تمہارے گناہ اٹھائیں گے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَ مَا هُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰهُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِنَّهُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ﴾ (النحل: ۱۲) یہ ان کے گناہ نہیں اٹھائیں گے، یہ (اس قول میں) جھوٹے ہیں۔ یہ اپنے گناہ اٹھائیں گے، اور جنہوں نے انہیں گمراہ کیا وہ بھی ان کے گناہ اٹھائیں گے، ساتھ اپنے گناہ بھی اٹھائیں گے اور ان پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہو گی۔[1]

آپ ﷺ کا فرمان ہے: "جو کوئی برا طریقہ رائج کرے گا، تو اس کا گناہ اسی کے سر ہے، اور جو اس پر عمل کرے گا ان کا گناہ بھی اسی کے سر ہے لیکن ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہو گی۔ یہ اس کا کہنا ہے: ﴿ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا﴾ (آل عمران: ۹۰) پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ اور ان گمراہ کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا: ﴿زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ﴾ (النحل: ۸۸) ہم انہیں عذاب سے بڑھ کر عذاب دیں گے۔ یہ دوزخ میں استحقاق کی منازل میں گئے۔ بر خلافِ اہل جنت؛ کہ اہل جنت اس میں استحقاق کی منازل بھی پائیں گے جیسی کفار نے دوزخ میں پائیں، اور وراثت اور اختصاص کی منازل بھی پائیں گے۔ جبکہ دوزخیوں کے لیے ایسی کوئی منازل نہیں۔

جہنم میں عذاب کی مدت:

پھر لازما اہل دوزخ زمانہ عمل کے برابر مدت پوری ہو جانے پر اسی دوزخ میں

---

[1] اس پیراگراف میں شیخ نے یہ بتایا ہے کہ جہنم میں صرف ان لوگوں کو اضافی عذاب دیا جائے گا جو نہ صرف خود گمراہ تھے بلکہ لوگوں کو بھی گمراہ کیا کرتے تھے۔ لہذا وہ نہ صرف اپنے اعمال کا عذاب چکھیں گے بلکہ اپنے پیروکاروں کے اعمال کا عذاب بھی اٹھائیں گے۔ کیونکہ جو کوئی برا طریقہ رائج کرتا ہے تو خود بھی گناہ کماتا ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ بھی اس کے کھاتے میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ کی رحمت اور فضل میں آجائیں گے، اور دوزخ میں رہتے ہوئے انہیں درد کا احساس جاتا رہے گا، کیونکہ رہنا انہوں نے دوزخ ہی میں ہے، کہ نہ اس میں مریں گے نہ جئیں گے۔ جب ان سے حسّاس روح واپس لے لی جائے گی تو ان کے اعضا سن ہو جائیں گے کہ ان میں حس ختم ہو جائے گی۔ وہاں ایسے گروہ بھی ہوں گے کہ عذاب اور عمل کے مابین مدت پوری ہو جانے کے بعد اللہ انہیں خیالی نعمتیں عطا کرے گا جیسے کوئی خواب دیکھتا ہے، اور اس کی جلد ویسی ہو گی جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ﴾ (النساء: ٥٦) جب ان کی جلدیں پک جائیں گی، یعنی ہمارے قول کے مطابق سُن ہو جائیں گی، تو اس سُن ہونے اور تبدیلی کے دوران وہ عذاب محسوس نہیں کریں گے، کیونکہ جب پکنے کا وقت مکمل ہوا تو گویا ان کے حق میں آگ مدہم ہو گئی،[1] وہ

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۰ میں اس تفصیل کا ذکر کیا ہے کہ کیسے اہل جہنم عذاب اور عمل کے درمیان ایک مدت پوری ہونے کے بعد عذاب میں کمی پائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں:

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا دنیا میں آمیزش ہے؛ اِس کی خوشی میں غم کی آمیزش ہے۔ اور جیسا کہ یہ بھی پہلے بتایا گیا ہے کہ جنت سراسر نعمت اور جہنم سراسر عذاب ہے، تو ان کے اہل میں یہ آمیزش نہیں ہو گی۔ نشات آخرت نشات دنیا کا مزاج نہیں رکھتی، یہی تو دنیا اور آخرت کی نشات کا فرق ہے۔ ہاں مگر نشات جہنم - میرا مطلب ہے جہنمی - جب ان پر غضب الٰہی کی مدت ختم ہو جائے گی، اور یہ اُس رحمت کو پالیں گے جو پہلے بھی انہیں حاصل تھی، تو اِسی رحمت کے حکم میں آجائیں گے۔ اس (جہنم) کی صورت وہی رہے گی اس میں تبدیلی نہ ہو گی، کہ اگر یہ تبدیل ہو جائے تو انہیں تکلیف ہو گی۔ پس اللہ کے اذن اور اختیارات سے پہلے پہل فلک اعلی سے نیچے والا دوسرا فلک ان پر حکم لگائے گا، یعنی انہیں

عذاب دے گا، ہر اُس جا کو (عذاب دے گا) جو عذاب قبول کرنے والی ہو گی۔ ہم نے یہاں اُس جا کا کہا جو عذاب قبول کرے گی؛ کیونکہ اس (یعنی جہنم) میں وہ بھی ہوں گے جو عذاب قبول نہیں کریں گے۔

جب یہ پینتالیس ہزار سال کا عرصہ اختتام پذیر ہو گا، اِس مدت میں اہل جہنم عذاب کی زد میں ہوں گے۔ پہلے تیئس ہزار سال تو وہ براہ راست عذاب کی زد میں ہوں گے، پھر اللہ تعالی انہیں سلا دے گا اور ان کا احساس ختم ہو جائے گا، یہ اس متعال کا کہنا ہے: ﴿لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ (طه: ۷۴) نہ وہ اس میں مرے گا نہ جیے گا۔ اور آپ کا اہل دوزخ کے بارے میں کہنا کہ وہ نہ اس میں مریں گے نہ جئیں گے یعنی ان اوقات میں ان کی حالت ایسی ہو گی کہ وہ اپنا احساس کھو بیٹھیں گے، جیسے اگر کسی کو دنیا میں بدترین تشدد کا سامنا کرنا پڑے، تو اس کی نیم بے ہوشی کی سی حالت ہوتی ہے۔ اگلے انیس ہزار سال وہ اسی طرح گزاریں گے۔

پھر انہیں ہوش آئے گا تو اللہ ان کی جلدوں کو تبدیل کرے گا اور وہ اس جہنم میں دوبارہ پندرہ ہزار سال کے عذاب میں ڈالے جائیں گے، پھر ان پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی، اور اسی بے ہوشی میں اکیس ہزار سال بیت جائیں گے، پھر ہوش آئے گا اور اللہ عذاب دینے کے لیے ان کی جلدوں کو تبدیل کرے گا، تو سات ہزار سال انہیں شدید عذاب کا سامنا ہو گا، پھر تین ہزار سال کی بے ہوشی آئے گی، پھر جب ہوش میں آئیں گے تو اللہ انہیں لذت اور راحت دے گا؛ جیسے کوئی شدید تھکا ہارا سو کر اٹھے تو تازہ دم ہوتا ہے۔ یہ ہے اس کی رحمت جو اس کے غضب پر سابق ہے، (یہ ہے وہ رحمت) جس نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے، تاکہ اسم الواسع سے۔ کہ جس سے وہ ہر شے پر علم اور رحمت سے محیط ہے۔ اس (رحمت) کے لیے ابدیت کا حکم صادر ہو گا۔ اب وہ تکلیف محسوس نہیں کریں گے، اور یہی کیفیت باقی رہے گی۔ وہ اسے غنیمت جانتے ہوئے کہیں گے: لگتا ہے ہم بھلا

دیئے گئے لہذا اب کوئی سوال مت کرے، یہ نہ ہو کہ ہم دوبارہ یاد آ جائیں۔ اللہ نے بھی ہمیں یہی کہا ہے: ﴿اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ﴾ (المؤمنون: ۱۰۸) اس میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ لہذا وہ لب بستہ اور متحیّر اسی میں پڑے رہیں گے، اور انہیں صرف یہی بات ستائے گی کہ کہیں دوبارہ سے انہیں عذاب نہ ہو۔

یہ ہے وہ عذاب جو ان کے لیے دائمی ہو گا، یعنی کہ خوف، اور یہ معنوی عذاب ہے حسی نہیں، اور بعض اوقات وہ اس (خوف) سے غافل بھی ہو جائیں گے۔ حسی عذاب کا نہ ہونا ہی ان کے لیے نعمت ہے، کہ اللہ ان کے دلوں میں یہ ڈال دے گا کہ وہ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ﴾ (الجاثیہ: ۳۴) آج ہم تمہیں بھول جائیں گے، جیسے تم بھول گئے۔ اور اسی حقیقت نے جب وہ درد محسوس نہیں کریں گے تو کہیں گے: "ہمیں بھلا دیا گیا" اسی طرح اللہ کا یہ کہنا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ (التوبہ: ۶۷) انہوں نے اللہ کو فراموش کیا سو اُس نے انہیں فراموش کیا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طہ: ۱۲۶) اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا؛ یعنی جہنم میں چھوڑ دیا جائے گا؛ کیونکہ فراموش کرنا چھوڑ دینا ہے۔ اور اگر ہمزہ سے نسئیہ پڑھا جائے تو یہ تاخر ہے۔

اہل جہنم کو عذاب نہ ہونا اُن کے لیے نعمت، اور متوقع عذاب کا خیال آنا اُن کے لیے عذاب ہے، جیسا کہ اللہ نے بتایا اُن کے لیے سلامتی کا کوئی راستہ نہیں، ہاں بعض اوقات وہ متوقع عذاب کے خوف سے غافل بھی ہو جائیں گے: ایک مرتبہ دس ہزار سال تک انہیں ایسا کوئی خوف نہ ہو گا، ایک مرتبہ دو ہزار سال تک، ایک مرتبہ چھ ہزار سال تک۔ اور یہ اسی مقدار کے مطابق ہو گا، جب بھی ایسا ہو گا تو وہ وقت کی اِسی مقدار کے مطابق ہو گا۔ پھر جب اللہ انہیں اسم الرحمن سے محظوظ کرنے کا ارادہ کرے گا تو ان کی اس حالت کی جانب نظر کرے گا جس پر وہ اس وقت ہوں گے، یعنی جب وہ عذاب سے باہر ہوں گے، تو وہ اس قدر نظر

آگ میں ویسے ہوں گے، "جیسے وہ امت جو اس میں داخل تو ہوئی لیکن اس میں ہمیشہ رہنے والی نہیں، پس اللہ انہیں اس میں موت دے دے گا، سو انہیں احساس نہیں ہو گا کہ آگ ان کے جسموں کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔" یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں مکمل بیان کی ہے[1]، اور یہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے۔

ابواب جہنم کی معرفت:

جہاں تک جہنم کے دروازوں کا تعلق ہے تو اللہ نے ان میں داخل ہونے والوں کی چند صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن یہ چار گروہ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شفاعت یا عنایت سے اس میں داخل ہونے کے بعد نکالے جائیں گے، اللہ نے ان میں داخل ہونے والوں کے بعض اوصاف اور اس میں لے جانے والے اسباب کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان دروازوں کے نام یہ ہیں: باب جحیم، باب سَقَرْ، باب سَعِیْر، باب

سے بھی لذت پائیں گے، ایک وقت یہ نظر ہزار سال تک رہے گی، ایک مرتبہ نو ہزار سال تک، پھر پانچ ہزار سال تک، یہ بڑھتی اور کم ہوتی رہے گی۔ جہنم میں ان کی حالت اسی طرح سے رہے گی کہ وہ اہل جہنم ہیں۔ ہم نے جو یہ ذکر کیا تو یہ سب علم عیسوی میں سے مقام محمدی کی میراث ہے۔ بیشک اللہ ہی حق کہتا اور سیدھی راہ دکھلاتا ہے۔

[1] صحیح مسلم میں یہ حدیث اس طرح سے ہے: جہاں تک اہل دوزخ کی بات ہے تو وہ اس میں نہ جئیں گے نہ مریں گے، لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں جائیں گے، تو اللہ انہیں مار دے گا یہاں تک کہ وہ جل کر کالے سیاہ ہو جائیں گے، پھر شفاعت کی اجازت ملے گی، پھر انہیں جمع کر کے لایا جائے گا اور جنت کی نہر میں ڈالا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! ان پر پانی ڈالو، چنانچہ وہ اس ننھے پودے کی طرح سے اگیں گے جو سیلاب کے بعد والی زمین میں اگتا ہے۔

حُطَمَۃَ، باب لَظٰی، باب حَامِیَۃَ اور باب ھَاوِیَۃَ۔

ان ابواب کے نام ان میں دیئے جانے والے عذاب کے حوالے سے ہیں۔ اور ان میں داخل ہونے والوں کے اوصاف یوں ہیں، جیسا کہ اللہ نے لظی کے بارے میں بتایا: ﴿تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى(١٧)وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى﴾ (المعارج: ١٧– ١٨) یہ اسے پکارتا ہے جو پیٹھ پھیر کر چلا، جس نے جمع کیا اور سنبھال کر رکھا۔ اسی طرح جب اہل سقر سے پوچھا جائے گا: ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ(٤٢)قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ(٤٣)وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ(٤٤)وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ(٤٥)وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (المدثر: ٤٢–٤٦) تم سقر میں کیسے پہنچے؟ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، اور بے تکی اور فضول باتیں کرنے والوں کے ساتھ ہو جاتے تھے، اسی طرح ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔ جبکہ اہل جحیم کے بارے میں فرمایا: ﴿يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ(١١)وَ مَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ﴾ (المطففین: ١١– ١٢) جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اسے ہر سرکش گنہگار ہی جھٹلاتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں مزید فرمایا: ﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ(١٦)ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ (المطففین: ١٦–١٧) پھر وہ جحیم میں جائیں گے، تو ان سے کہا جائے گا، یہ وہی ہے ناں جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اسی طرح حطمہ اور سعیر، یا دیگر (ابواب) کا قرآن و سنت میں تذکرہ آیا ہے۔

ہم نے یہاں امہات اور طبقات کا ذکر کیا۔ جہاں تک ان منازل سے مناسبت رکھنے والے اعمال کی بات ہے، تو وہ بہت زیادہ ہیں۔ جن کی شرح طویل ہے، اگر ہم اس کی شرح کریں تو بہت وقت لگے گا، کیونکہ میدان وسیع ہے، لیکن اعمال مذکور ہیں، اور ان پر عذاب بھی مذکور ہے۔ سو جب تجھے ایسا کچھ سمجھ آئے، اور تو اپنے رب کے نور اور

واضح نشانی پر ہو، تو اللہ اپنے کرم سے تجھے اس پر مطلع کرے گا۔

اس باب میں ہماری شرط اور اس کا عنوان تو مراتب کا ذکر تھا، ہم نے وضاحت سے ان کا ذکر کر دیا، اپنی اس کتاب میں ان مقامات کا بھی بتا دیا جس میں غور کرنے والا غور کر سکتا ہے، اسی طرح وہ آیات جنہیں اس باب کی ابتدا میں شواہد کے طور پر لایا گیا، جیسے اللہ کا ابلیس کو حکم دینا، اور کیا اس خدائی حکم کے ماننے سے اس حیثیت میں اُس کی جانب بھی کچھ لوٹا کہ وہ حکم مان رہا ہے یا نہیں؟ یا اس جیسی دیگر تنبیہات، اگر تو ان پر ٹھہرے گا تو اہل شقاوت و نار سے مخصوص علوم الٰہی کی ایک بڑی تعداد پائے گا، اس باب میں اسی قدر بات کافی ہے۔ اللہ ہی حق بات کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

باب نمبر پینسٹھ

جنت، اس کی منازل اور درجات کی معرفت، اور اس باب سے متعلق امور

[اشعار]

محسوس جنت کے مراتب اور منازل میں تقسیم ہیں جبکہ اعمال اِن کے طالب ہیں۔ ہر عمل کرنے والے کے اعمال اُس سے اِنہی کی طرف جاتے ہیں، اور اللہ کے رسول ان (مراتب) کے دربان ہیں۔ اور اختصاصات کی جنتیں جو کرم فرماؤں سے بھر گئیں، میراث کی جنتیں ان کے بعد ہیں۔ ستاروں کی روشنی سے تو ہم روشنی لیتے ہیں، جبکہ ہمارا نور جنت عدن کے ستاروں میں ہے۔ اگر ہماری سواری راہِ شریعت کے سوا ہوتی تو شریعت آنے پر زائل ہو جاتی۔ پس مشروع صالح عمل اسے نور ظاہر کرتا ہے اور اس (شریعت) کی جلال والی ذات سے وہ اِس کا کسب کرتا ہے۔

حسی اور معنوی جنت:

اللہ ہماری اور آپ کی تائید کرے یہ جان کہ جنت دو طرح کی ہے: ایک محسوس جنت اور دوسری معنوی جنت۔ عقل اِن دونوں کو ایک ساتھ سمجھتی ہے۔ جیسا کہ عالم بھی دو ہیں: ایک لطیف اور دوسرا کثیف، ایک غیب اور دوسرا شہادت۔ اور مکلّف مخاطَب نفس ناطقہ کو ان علوم و معارف میں لذت محسوس ہوتی ہے جن تک یہ اپنی عقل اور فکر کی راہ سے پہنچتا ہے، یا جن تک یہ عقلی دلائل سے راہ پاتا ہے۔ اسی طرح یہ

ان لذتوں اور شہوات سے بھی خوشی محسوس کرتا ہے جو نفس حیوانی اپنی حسی قوتوں سے اس تک پہنچاتا ہے؛ جن میں کھانا، پینا، جماع کرنا، کپڑے پہننا، خوشبوئیں سونگھنا، سماعت کو لبھانے والے نغمات سننا اور خوبصورت اور دلکش صورتوں میں حسی جمال جو اُبھرے سینے والی عورتوں، خوبصورت چہروں، مختلف رنگوں، درختوں اور دریاوں میں نظر اس تک پہنچائے، وغیرہ۔

یہ سب کچھ حواس نفس ناطقہ تک پہنچاتے ہیں؛ اور وہ اپنے طبعی مزاج کے باعث اِن سے لذت پاتا ہے۔ اگر اِس سے صرف حسّاس حیوانی روح ہی لذت پاتی ۔نہ کہ نفس ناطقہ۔ تو پھر جانور بھی خوبصورت لڑکیوں، خوب رو لڑکوں، رنگوں اور سونے چاندی کے زیورات سے لذت پاتے۔ جب ہم نے دیکھا کہ جانور اِس سے لذت نہیں پاتے تو ہمیں قطعی طور پر پتا چلا کہ ان سب سے صرف نفس ناطقہ ہی لذت پاتا ہے، اور یہ اسے قوت حسی کی عطا ہے کہ حیوانات اس ادراک میں اس کے شریک ہیں بھی اور نہیں بھی۔

حسی جنت کی تخلیق:

یہ بھی جان کہ اللہ نے اس محسوس جنت کو طالع اسد میں تخلیق کیا جو کہ چاہی ہے اور اِس کا برج اسد ہے۔ جبکہ معنوی جنت کو جو کہ اِس محسوس جنت کی روح ہے، اسے صفتِ کمال، سرور اور مسرت سے فرحت الٰہی میں تخلیق کیا۔ پس محسوس جنت جسم کی مانند ہے اور معقول جنت روح اور اُس کی قوتوں کی مانند ہے۔ اِسی لیے تو حق تعالی نے اِسے اِس کی زندگی کے باعث ہمیشہ کی زندگی کا گھر کہا۔ پس اہل جنت اِس میں حسی اور معنوی لذتیں پائیں گے، اور یہ معنی لطیفہ انسانیہ ہے۔

جنت کس کی مشتاق ہے؟

اسی طرح جنت بھی اِس میں داخل ہونے والوں سے شدید لذت پائے گی، اسی لیے یہ اپنے رہائشیوں کی طالب ہے۔ نبی ﷺ سے روایت کردہ ایک خبر میں آیا ہے کہ جنت، بلال، علی، عمار اور سلمان کی مشتاق ہے۔ آپ نے جنت کو ان کا مشتاق قرار دیا، اور ان اسما کی بھی کیا خوب موافقت ہے کہ ان (اسما) میں اِس شوق کے معانی ہیں۔ بیشک کسی مشتاق کا شوق وصل کی طلب میں درد والم کی تعبیر ہوتا ہے۔ بلال کا مطلب ہے: جب کوئی شخص مرض سے شفا پائے، اسی طرح کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے مرض سے نجات پائی اور اسے ہی بلال کہتے ہیں۔ اسی طرح سلمان: دکھوں اور تکالیف سے سلامتی کا نام ہے۔ عمار: یعنی اہل جنت کے جنت میں آنے سے اِس کا درد ختم ہو گا؛ کیونکہ اللہ جنت میں اپنے بندوں کو اپنا دیدار کروائے گا۔ اور علی: یعنی اس تجلی اور دیدار سے دوزخ کے مقابلے میں اِس کی شان میں اضافہ ہو گا، کہ اسے تو تجلی اور رویت کا درجہ ملا جبکہ دوزخ دار حجاب ہے۔ پس غور کر کہ یہ چار نام جنت کی صورت حال سے کس قدر موافقت رکھتے ہیں، کہ آپ نے اس کی خوبی بتائی کہ وہ مومنین میں سے ان اصحاب کی مشتاق ہے۔[1]

جنت کی رغبت:

اس مسئلے میں لوگ چار مراتب پر ہیں: ایک وہ جو (جنت کی) رغبت رکھتے ہیں

---

[1] یہاں شیخ نے جنت کی طلب کے حوالے سے بات کی ہے یعنی جنت ایسی ہستیوں کی طالب ہے جن میں یہ خصوصیات ہوں؛ وہ جو اسے مرض سے نجات دلائیں، جو اسے سلامتی دلوائیں، جو جب اس میں جائیں تو اس کے درد والم مٹ جائیں اور جو اس کی شان میں اضافہ کریں۔

اور اُن کی رغبت رکھی جاتی ہے؛ یہ اہل اللہ کے اکابرین ہیں جیسے رسول، نبی اور کامل ولی۔[1] اسی طرح کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جن کی رغبت رکھی جاتی ہے اور وہ رغبت نہیں رکھتے؛ یہ اللہ والوں میں اصحاب احوال ہیں جو اللہ کے جلال میں گم ہیں[2]، یہ وہ ہیں کہ ان کے حواس پر ان کے معنی کا غلبہ ہے، یہ پہلے طبقے والوں سے نیچے ہیں؛ کیونکہ یہ اصحاب احوال ہیں۔ اسی طرح کچھ ایسے ہیں جو رغبت تو رکھتے ہیں لیکن ان کی رغبت نہیں رکھی جاتی: یہ گناہ گار مومنین ہے۔[3] اور کچھ ایسے ہیں جو نہ رغبت رکھتے ہیں اور نہ ان کی رغبت رکھی جاتی ہے؛ یہ یوم آخرت کا انکار کرنے والے ہیں، جو محسوس جنت کی نفی کرتے ہیں۔[4] لوگوں میں کوئی پانچواں طبقہ نہیں۔

جنت کی اقسام:

یہ بھی جان کہ جنتیں تین طرح کی ہیں: پہلی اختصاص الٰہی کی جنت، اس میں وہ بچے جائیں گے جو عمل کی حد تک نہ پہنچے، اور یہ حد پیدائش سے لے کر چھ ماہ کی عمر تک

---

[1] یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو جنت کی رغبت رکھتے ہیں اور جنت ان کی رغبت رکھتی ہے۔

[2] یہ وہ لوگ ہیں جو محبوب کے جمال میں ایسے گم ہیں کہ ان کے حواس سن ہیں، لہذا یہ جنت کی رغبت نہیں رکھتے لیکن جنت ان کی رغبت رکھتی ہے، شیخ نے انہیں نچلے درجے کے اہل اللہ کہا ہے، کیونکہ یہ اصحاب احوال ہیں جبکہ پہلے والے اصحاب تحقیق ہیں۔

[3] یہ وہ گناہ گار خطا کار اہل ایمان ہیں کہ جنت ان کی رغبت نہیں رکھتی لیکن یہ جنت کے طالب ہیں۔

[4] یہ ملحدین ہیں، یہ خدا اور جنت کے وجود کے ہی منکر ہیں، لہذا جنت دوزخ اور آخرت کے بھی منکر ہیں، اسی لیے یہ جنت کی رغبت بھی نہیں رکھتے۔ اور جنت اس لیے ان کی رغبت نہیں رکھتی کیونکہ یہ اہل دوزخ ہیں۔

چیخ مار کر رونا ہے۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا اختصاص کی جنت میں داخل کرے گا۔ اسی طرح اس کے اہل وہ مجنوں بھی ہیں جن کی عقل باقی نہ رہی، اسی طرح علمی توحید والے بھی اس کے اہل ہیں، دو انبیا کے درمیانی دور والے بھی اس کے اہل میں سے ہیں، اور وہ بھی کہ جن تک رسول کی دعوت نہ پہنچی۔[1]

دوسری جنت؛ جنت میراث ہے؛ اسے ہر وہ شخص پائے گا جو جنت میں جائے گا جیسا کہ ہم نے مومنین کے بارے میں بتایا، یہ وہ معین جگہیں ہیں کہ اگر اہل دوزخ بھی یہاں آتے تو اپنا ٹھکانہ پاتے۔

تیسری جنت اعمال کی جنت ہے؛ اس جنت میں لوگ اپنے اعمال کے حساب سے جائیں گے؛ سو جو کوئی افضلیت کے رخوں سے کسی دوسرے سے افضل ہوا تو اسے بڑی جنت ملے گی، چاہے فاضل مفضول سے نیچے ہو یا نہ ہو، لیکن اس مقام پر اس حالت میں اس کی افضلیت دیکھی جائے گی۔[2] پس اعمال میں سے کوئی بھی عمل ہے تو اس کے

---

[1] اختصاص کی جنتوں کے بارے میں شیخ اکبر مزید لکھتے ہیں: مجھے نہیں پتا کہ اختصاص کی جنت عام ہو گی یا پھر اللہ کے خاص بندوں سے مخصوص ہے۔ وہ جنہوں نے کبھی کوئی خیر کا عمل نہیں کیا ان کے لیے جنتِ میراث ہے، کیا وہ اختصاص کی جنت میں جائیں گے اس کا مجھے علم نہیں۔

[2] شیخ اکبر نے آگے بیان کردہ حدیث سے مثال دے کر یہ بتایا ہے کہ ان جنتوں میں ہر کوئی اپنے اعمال کے حساب سے ہو گا۔ یہاں مطلق فضیلت سے درجات نہیں۔ اسی لیے بعض اوقات مفضول فاضل سے بھی آگے ہو گا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے بلال! تو جنت میں مجھ سے آگے کیسے ہو گیا؟ تو مراد جنتِ اعمال تھی۔ اسی لیے جواب میں حضرت بلال نے اپنے وہ اعمال بتائے جو وہ ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی

لیے جنت ہے، اور ان جنتیوں کی افضلیت ان کے احوال کے حساب سے ہو گی۔

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے نبی ﷺ نے بلال سے کہا: "اے بلال! تو جنت میں مجھ سے آگے کیسے ہو گیا؟ کہ میں جس جگہ بھی گیا میں نے تیرے چلنے کی آواز اپنے آگے پائی۔ بولے: یارسول اللہ! جب بھی میرا وضو ٹوٹا میں نے وضو کر لیا، اور جب بھی وضو کیا تو دو رکعتیں پڑھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں انہی دو رکعتوں سے۔ اس سے ہمیں پتا چلا کہ یہ جنت اس عمل سے مخصوص تھی۔

گویا کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال سے پوچھا: تجھے یہ رتبہ کیسے ملا کہ تو سر جھکائے مجھ سے آگے چل رہا ہے اور نظر نہیں آ رہا؛ تجھے یہ مرتبہ کیسے ملا؟ جب بلال نے آپ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں انہی دو رکعتوں سے۔چنانچہ ہر فرض اور نفل عمل، ہر عملِ خیر ہر حرام اور مکروہ ترک سے مخصوص ایک جنت اور خاص نعمت ہے جسے وہ پائے گا جو اس میں جائے گا۔

افضلیت کے مراتب:

افضلیت کے بھی مراتب ہیں؛ اس میں ایک عمر کے حوالے سے ہے، ہاں جو عمر نیکی اور اسلام میں گزری۔ پس بوڑھا بچے پر عمر سے فضیلت رکھتا ہے اگر دونوں عمل میں ایک برابر ہوں؛ کیونکہ یہ اس عمل میں اس سے پہلے سے ہے۔ اسی طرح فضیلت وقت سے بھی ہے؛ کہ رمضان میں عمل، جمعے کے روز عمل، شب قدر میں عمل، ذی الحجہ کے دس دنوں میں عمل، اور عاشورا میں عمل باقی تمام زمانوں کے عمل سے افضل ہے۔شارع نے ہر زمانے کو متعین کیا ہے۔ اسی طرح افضلیت جگہ سے بھی ہے، جیسے

تصدیق کی کہ ہاں انہی دو رکعتوں سے تو جنت اعمال میں مجھ سے آگے ہوا۔ شیخ فرماتے ہیں اس سے ہمیں پتا چلا کہ یہ جنت عمل سے مخصوص تھی۔

مسجد حرام میں نماز پڑھنے والا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والے سے افضل ہے۔ اسی طرح مسجد نبوی میں نماز مسجد اقصی میں نماز سے افضل ہے۔ اسی طرح مسجد اقصی میں نماز باقی تمام مساجد میں نماز سے افضل ہے۔

اسی طرح احوال سے بھی افضلیت ہے؛ کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کسی شخص کے اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے، یا اس طرز کی دیگر باتیں۔ پھر اعمال میں بھی افضیلت ہے؛ بیشک نماز تکلیف دور کرنے سے افضل ہے، اللہ نے بعض اعمال کو دیگر بعض پر افضیلت بخشی۔ اسی طرح ایک عمل میں بھی درجات ہیں: مثلا اگر کوئی رشتہ دار کو صدقہ کرے تو وہ صلہ رحمی اور صدقہ دونوں کرتا ہے، جبکہ کسی غیر کو صدقہ دینے والا اجر میں اس سے نیچے ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اہل بیت میں سے کسی سید کو ہدیہ کرے، اس کے ساتھ نیکی کرے یا اچھا برتاؤ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی غیر سید کے ساتھ ایسا کرے۔ شریعت میں افضیلت کے لاتعداد پہلو ہیں، اگرچہ یہ شمار کے اندر ہیں۔ یہاں میں نے تیرے سامنے چند مثالیں رکھیں تاکہ تو افضیلت میں ہمارا موقف سمجھ سکے۔[1]

بیشک اختصاص کی جنت میں رسولوں کی فضیلت غیر رسولوں پر ظاہر ہو گی؛ جہاں تک عمل کی بات ہے تو اعمال کی جنتوں میں وہ احوال کے حساب سے ہوں گے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ ہر وہ جس نے غیر پر فضیلت پائی، وہ غیر جو اِس کے مقام میں

[1] ان دو پیراگرافوں میں شیخ اکبر نے افضیلت کے مراتب بتائے ہیں کہ کن جگھوں، کن اوقات میں کون سے اعمال زیادہ فضیلت والے ہیں۔

نہیں تو یہ اختصاص کی جنت سے ہے، اعمال کی جنت سے نہیں۔[1]

پھر کوئی شخص ایک ہی وقت میں بہت سے اعمال کرتا ہے؛ کہ ایک ہی وقت اپنی سماعت کو اچھائی میں لگاتا ہے، اسی وقت نظر سے نیکی کرتا ہے، اسی لمحے ہاتھ کی نیکی کرتا ہے، اسی وقت وہ روزے سے بھی ہوتا ہے، اسی وقت صدقہ بھی کر رہا ہوتا ہے، اسی وقت نماز میں ذکر کر رہا ہوتا ہے، اسی لمحے کسی عمل یا ترک عمل کی نیت کرتا ہے، لہذا ایک ہی لمحے اسے مختلف رخوں سے ثواب ملتا ہے؛ اور یہ اس پر فضیلت پاتا ہے جس کے پاس یہ رخ نہیں۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے جنت کے آٹھ دروازوں کا ذکر کیا کہ وہ جس سے چاہے داخل ہو۔ تو ابو بکر نے پوچھا: یارسول اللہ! کوئی انسان تمام دروازں سے کیسے جا سکتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! مجھے امید ہے کہ تو انہی میں سے ہو گا۔ یہاں ابو بکر کی مراد وہی تھی جو ہم نے بتایا، کہ انسان کسی ایک وقت میں ایسے بہت سے عمل کر رہا ہوتا ہے جو جنت کے تمام دروازوں سے متعلق ہوتے ہیں۔[2]

آخرت کی نشات:

یہاں تجھے آخرت کی نشات کا بھی پتا چلتا ہے؛ جیسے جنت اپنے احوال میں دنیا سے مشابہت نہیں رکھتی، چاہے نام ایک جیسے ہیں۔ اسی طرح انسان کی اخروی نشات

---

[1] یہاں یہ بھی واضح کر دیا کہ رسولوں کی اصل فضیلت اختصاص کی جنت میں ہو گی، اعمال کی جنتوں میں وہ رسول بھی اپنے احوال کے حساب سے ہی مراتب پائیں گے۔

[2] شیخ اکبر نے اس حدیث کی تشریح اس طرح سے کی ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے انسان کے آٹھ مکلف اعضا جیسے ہیں اور جو ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ اعضا سے نیکی کرتا ہے تو وہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ دروازوں سے جنت میں داخل ہوتا ہے۔

اس کی دنیاوی نشات کے مشابہ نہیں، چاہے ناموں اور شخصی صورتوں میں دونوں ایک جیسی ہوں۔ کیونکہ اخروی نشات میں حسیت کی بجائے روحانیت کا غلبہ ہے۔ ہم نے تو اِس (نشات) کا مزہ اس دار دنیا میں بھی چکھا ہے، حالانکہ یہ (دنیاوی) نشات بہت کثیف ہے؛ کہ انسان ایک وقت میں بہت سی جگہوں میں ہوتا ہے۔ عام عوام اس کا ادراک صرف خواب میں کرتے ہیں۔[1]

شیخ اکبر کا ایک مبارک خواب:

میں نے اس حوالے سے ایک خواب دیکھا اور اسے اللہ کی طرف سے بشارت سمجھا؛ کیونکہ یہ حدیث نبوی کی مطابقت میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سابق انبیا کے حوالے سے اپنی مثال دیتے ہوئے فرمایا: انبیا میں میری مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی دیوار بنائی، اسے مکمل کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ بچ گئی؛ اب میں ہی وہ اینٹ ہوں، کہ میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ کوئی نبی۔ آپ نے نبوت کو دیوار سے تشبیہ دی، اور انبیا کو ان اینٹوں سے کہ جن سے مل کر یہ دیوار بنی۔ یہ بہت ہی بہترین تشبیہ ہے؛ کیونکہ یہاں جس کی طرف دیوار کہہ کر اشارہ کیا گیا اس کا ظہور اینٹوں سے ہے، پس آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

میں سن پانچ سو ننانوے ہجری میں شہر مکہ میں تھا، میں نے خواب دیکھا کہ خانہ کعبہ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا ہے۔ ایک چاندی کی اینٹ ہے اور ایک سونے کی۔ یہ مکمل تعمیر ہے اور اس میں کوئی جگہ باقی نہیں، میں اس کے حسن و جمال کو دیکھتا

[1] یہاں شیخ یہ بتا رہے کہ آپ نے اس روحانی اخروی نشات کا مزہ اس دنیا میں بھی چکھا ہے حالانکہ دنیا کی نشات کثیف ہے۔ ہر کوئی یہ مزہ نہیں چکھ سکتا عوام اس کا مزہ نیند اور خواب میں چکھتے ہیں۔

ہوں، پھر میں اس طرف کو جاتا ہوں جو حصہ رکن یمانی اور شامی کے درمیان ہے-یہ رکن شامی کے قریب تھا-وہاں میں دیوار میں دو اینٹوں کی جگہ خالی پاتا ہوں، اوپر والی صف میں سونے کی اینٹ کم ہے اور نیچے والے صف میں چاندی کی۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ میں ان دو اینٹوں کی جگہ فٹ ہو گیا، یعنی میں ہی یہ دو اینٹیں بن گیا، اور یہ دیوار مکمل ہو گئی، اب کعبہ میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہی، میں کھڑا یہ منظر دیکھ بھی رہا ہوں اور یہ جان بھی رہا ہوں کہ میں ہی یہ دو اینٹیں ہوں۔ اس میں مجھے کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں میری ہی ذات کا عین ہیں۔ پھر میں جاگ گیا اور اللہ تعالی کا شکر ادا کیا۔

میں نے اس کی تعبیر میں کہا: کہ اپنی صنف کی اتباع میں میں ویسا ہی ہوں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ انبیا علیہم السلام میں ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ میں ہی وہ ہوں کہ اللہ جس پر ولایت کو ختم کرے[1] ﴿وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾(ابراھیم: ۲۰) اور اللہ کے

[1] چند جہلا شیخ اکبر کے اِس خواب کو نعوذ باللہ نبوت کا خواب سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ نے یہاں نبوت کے حوالے سے بات کی ہے۔ لیکن آپ نے یہ بالکل واضح کر کے لکھ دیا ہے کہ یہ خواب ولایت سے متعلق ہے اسی لیے تو کہا: میں اپنی صنف کی اتباع میں ویسا ہی ہوں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ انبیا علیہم السلام میں ہیں۔ شیخ اولیا میں سے ہیں تو وہ اولیا کی صنف کی بات کر رہے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ انبیا میں سے ہیں تو آپ انبیا کی بات کر رہے ہیں۔ صرف ایک جیسا خواب دیکھنے سے مراتب ایک جیسے نہیں ہو جاتے۔ اور آپ نے جس ولایت کے اختتام کی بات کی تو وہ مطلق ولایت نہیں بلکہ اتباع محمد ﷺ سے مقید ولایت ہے۔ اسی لیے اپنی کتاب عنقاء مغرب میں واضح تر الفاظ میں بتا دیا کہ مطلقا خاتم الاولیا حضرت عیسی علیہ السلام ہیں جبکہ خاص محمدی ولایت کے خاتم شیخ اکبر ہیں۔ اور یہ ولایت کے اندر ایک خصوصی مرتبہ ہے۔

لیے ایسا کرنا دشوار نہیں۔ پھر مجھے نبی ﷺ کی وہ حدیث یاد آئی جس میں آپ نے دیوار کی مثال دی، اور آپ ہی اس کی اینٹ تھے۔ میں نے اپنا یہ خواب مکہ میں کسی تعبیر بتانے والے کو بتایا- وہ اہل توزر میں سے تھا- تو اس نے بھی مجھے وہ تعبیر بتائی جو مجھے سمجھ آئی، اور میں نے اسے خواب دیکھنے والے کا نام نہیں بتایا تھا۔ میں اللہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنے کرم سے اس ولایت کا مجھ پر اتمام کرے۔ کیونکہ اختصاص الٰہی کو کوئی مانع نہیں اور نہ یہ عمل اور میزان سے ہے، بلکہ یہ تو اللہ کا فضل ہے ﴿يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (البقرۃ: ۱۰۵) وہ جسے چاہے اپنی رحمت سے مخصوص کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اعمال کی جنت:

یہ بھی جان کہ اعمال والی جنت کے سو درجے ہیں، اِس کے سوا نہیں، جیسے دوزخ کے سو درکے ہیں۔ البتہ ہر درجہ منازل میں تقسیم ہے؛ اب ہم امت محمدی سے مخصوص اس کی منازل کا ذکر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے یہ تمام امتوں سے افضل ہوئی، کہ یہ ﴿خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾(آل عمران: ۱۱۰) لوگوں کے لیے نکالی گئی بہترین امت ہے، کہ حق تعالی نے قرآن میں یہ بتایا اور اس بات کی گواہی دی۔ یہ سو درجات آٹھ جنتوں میں سے ہر جنت کے ہیں، اور ان جنتوں کی صورت ایسی ہے کہ ایک جنت کے اندر دوسری جنت ہے۔

جنت عدن:

ان میں سب سے اعلی جنتِ عدن ہے، یہ جنت کا قلعہ ہے۔ اِسی میں وہ ٹیلے ہیں جہاں لوگ دیدار الٰہی کے لیے جمع ہوں گے، جنتوں میں یہ سب سے اعلی جنت ہے۔

جنتوں میں اس کی مثال بادشاہ کے محل کی سی ہے، جس کے گرد آٹھ فصلیں ہوں، ہر دو فصیلوں کے درمیان ایک جنت ہے۔[1] جنت عدن کے بعد جنت فردوس ہے؛ یہ عدن کے بعد باقی جنتوں سے بہتر اور افضل ہے، اس کے بعد جنت خلد ہے، پھر جنت نعیم ہے، پھر جنت ماوی ہے، پھر دار السلام اور دار المقامہ ہے۔[2]

جہاں تک درجہ وسیلہ کی بات ہے تو یہ جنت عدن کا اعلی ترین درجہ ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، اور آپ کو یہ آپ کی امت کی دعا سے ملا۔ حق سبحانہ نے یہ سب ایسی حکمت سے کیا جسے چھپایا، کہ آپ کی وجہ سے ہی ہمیں اللہ کی طرف سے سعادت ملی، اور آپ کی بدولت ہی ہم لوگوں کے لیے نکالی گئی بہترین امت بنے، آپ کی بدولت ہی اللہ نے امتوں کو بھی ختم کیا جیسا کہ آپ پر انبیا کا اختتام ہے۔ آپ ﷺ بشر ہیں، جیسا کہ آپ کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔ اور ہمارا اللہ عز وجل کی جانب ایک

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۹۸ میں اس کی تفصیل یوں درج کی ہے۔ جہاں تک جنت عدن کے سفید مسک کے ٹیلوں کی بات ہے تو جس روز لوگ وہاں دیدار الٰہی کے لیے جمع ہوں گے وہ جمعے کا روز ہو گا۔ ملاقات کے ان ایام کے نام اسمائے الٰہیہ میں سے ہیں۔ ان کے نام مجھے اور کسی کو نہیں پتا، کیونکہ اللہ کے ایسے اسما ہیں جو اس نے اپنے علم غیب میں چھپا رکھے ہیں جو جانے نہیں جاتے۔ لہذا یہ ایام بھی جانے نہیں جاتے۔ باقی جنتوں میں جنت عدن ایسی ہے جیسے لوگوں کے گھروں میں کعبۃ اللہ یعنی اللہ کا گھر۔ اور وہاں زیارت اعظم ایسی ہے جیسے نماز جمعہ کے لیے جانا، زیارت خاص ایسی ہے جیسے پانچ نمازوں کے لیے جانا۔

[2] اسی طرح فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۵۹۹ میں آپ نے اشارتاً بتایا: جنت نعیم اصحاب علوم کے لیے ہے، جنت فردوس ارباب فہوم کے لیے، جنت ماوی اہل تقوی کے لیے، جنت عدن وزن سے قائم ہونے والوں کے لیے، جنت خلد محبت پر قائم رہنے والوں کے لیے، جنت مقامہ اہل کرامت کے لیے اور جنت رویت اصحاب بغیہ کے لیے۔

خاص رخ ہے جس سے ہم اس سے مناجات کرتے اور وہ ہم سے مناجات کرتا ہے۔ اسی طرح ہر مخلوق کا اپنے رب کی طرف ایک خاص رخ ہوتا ہے، لہذا آپ نے ہمیں اللہ کے حکم سے یہ حکم دیا کہ ہم آپ کے لیے وسیلے کا سوال کریں،[1] یہاں تک کہ آپ یہ درجہ اپنی امت کی دعا سے پائیں، اس عظیم فضل کو سمجھ۔ یہ غیرت الٰہی کے باب میں سے ہے، اگر تو سمجھے۔ بیشک اللہ نے اس نبی اور اس امت کی تکریم کی۔

جنت کے درجات:

پس جنت کے درجات میں جنت پانچ ہزار ایک سو پانچ درجات پر مشتمل ہے، اس کے سوا نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس عدد سے زائد درجات بھی ہو سکتے ہیں، لیکن ہم نے انہی درجات کا ذکر کیا کہ جن پر اہل کشف کا اتفاق ہے اور جن کی مثال اجناس کے انواع کی طرح ہے۔

---

[1] صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم مؤذن کو سنو تو وہی کچھ کہو جو وہ کہہ رہا ہے، اس کے بعد مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، پھر میرے لیے اللہ سے وسیلے کا سوال کرو، کیونکہ یہ جنت کا ایک درجہ ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک کو ملے گا، اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا، سو جس نے میرے لیے وسیلے کا سوال کیا اس کے لیے میری شفاعت جائز ہوئی۔

اِس حدیث کی روشنی میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: جو شخص نبی کریم ﷺ کے لیے وسیلے کا سوال کرے گا تو وہ روز قیامت آپ کی شفاعت پائے گا کیونکہ اللہ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے وسیلے کا سوال کریں۔ اسی لیے اسے مقام محمود کہا جاتا ہے اور اس سوال کی جزا شفاعت ہے۔

ان درجات میں سے اس امت محمدیہ کو باقی تمام امتوں پر بارہ درجات ایسے دیئے گئے کہ اس میں کوئی دوسری امت شریک نہیں، جیسا کہ آخرت میں آپ ﷺ کو دیگر رسولوں پر وسیلے اور در شفاعت کے کھولنے سے فضیلت دی گئی۔ اور دنیا میں وہ چھ چیزیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، جیسا کہ صحیح مسلم بن حجاج کی ایک صحیح حدیث میں آیا ہے، یہ چھ اشیا: آپ کی عمومی رسالت، آپ کے لیے غنیمتوں کا حلال ہونا، رعب سے نصرت، آپ کے لیے تمام زمین کا مسجد بنایا جانا، زمین کی مٹی کا آپ کے لیے طاہر ہونا، اور آپ کو زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا ہونا ہے۔[1]

پھر یہ بھی جان کہ اہل جنت کی چار اقسام ہیں: ۱- رسول جو کہ انبیا ہیں۔ ۲- اولیا جو کہ اپنے رب کی واضح نشانی اور بصیرت پر رسولوں کے پیروکار ہیں۔ ۳- مومنین جو رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ۴- اور عقلی دلائل سے اللہ کی توحید تک پہنچنے والے علما ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (البقرۃ: ۱۶۳) کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ﴾ (آل عمران: ۱۸) اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں، اسی طرح فرشتے اور علم والے بھی یہ گواہی دیتے ہیں۔ میں انہیں ہی توحید کے علما قرار دیتا ہوں، اور انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (المجادلۃ: ۱۱) بیشک اللہ تم میں ان کے درجات بلند کرتا ہے جو ایمان لائے یا جنہیں علم

[1] صحیح مسلم کی متعدّد احادیث میں ان تمام اشیا کی جانب اشارہ ملتا ہے۔

دیا گیا۔[1]

علم باللہ کے حصول کے دو ذرائع:

علم باللہ تک پہنچنے کے دو راستے ہیں، تیسرا کوئی نہیں۔ جس نے ان دو راستوں کے سوا اللہ کو واحد جانا تو وہ اپنی توحید میں مقلد ہے۔ پہلا راستہ کشف کا راستہ ہے، یہ وہ ضروری علم ہے جو کشف سے حاصل ہوتا ہے، کہ انسان اسے خود میں ایسے پاتا ہے کہ کوئی شبہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اُسے خود سے دور کر سکتا ہے، اُسے اِس بارے میں کسی دلیل کا علم نہیں ہوتا ماسوائے وہ جو اُس نے اپنے دل میں پائی۔ ہاں بعض نے یہ بھی کہا ہے: کہ اُسے کشف میں دلیل اور مدلول دونوں کا بتایا جاتا ہے، کیونکہ جس کی معرفت دلیل پر موقوف ہو تو اُس پر دلیل بھی کھولی جاتی ہے۔ یہ قول ہمارے دوست ابو عبد اللہ بن الکتانی نے شہر فاس میں کہا، میں نے خود اُن سے یہ سنا۔ آپ نے اپنا حال بتایا اور سچ کہا۔ لیکن اس بات میں غلطی کھائی کہ معاملہ صرف اسی طرح سے ہے؛ کیونکہ کوئی دوسرا خود میں یہ سب ذوق سے پاتا ہے، اور اس پر دلیل نہیں کھولی جاتی۔ پھر یہ سب جسے حاصل ہو تجلی الٰہی سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ رسول، انبیا اور چند اولیا ہیں۔[2]

---

[1] شیخ اکبر فرما رہے ہیں کہ ان دو آیات میں جن علما کا ذکر ہے وہ صاحب کشف علما نہیں بلکہ اہل عقل میں توحید کے قائل علما ہیں، اور میں انہیں ہی توحید کے عقلی علما قرار دیتا ہوں۔ یہ ان چار گروہوں میں شامل ہیں جو جنت میں جائیں گے۔

[2] شیخ اکبر کے نزدیک علم باللہ تک پہنچنے کا یہ پہلا راستہ ہے وہ ہے جس میں اللہ خود اپنے بندوں کی رہنمائی کرتا ہے، رسولوں کی رسالت میں، انبیا کی نبوت میں اور اہل کشف اولیا کی ولایت میں۔ ان تین لوگوں کے پاس علم باللہ اللہ کے بتانے سے ہوتا ہے۔

دوسرا راستہ عقلی برہان سے استدلال اور فکر کا راستہ ہے۔ یہ راستہ پہلے راستے سے کم مرتبت ہے، کیونکہ اپنی دلیل میں صاحب فکر کو ایسا شبہ بھی لاحق ہو جاتا ہے جسے دور کرنا ممکن نہیں ہوتا، اور جس کی بدولت وہ اپنے مطلوب معاملے میں حق تک رسائی نہیں پاتا۔ یہاں تیسرا کوئی راستہ نہیں۔[1]

یہی لوگ علم والے ہیں، جو اللہ کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ توحید الہی کے علما کے اس طبقے کے ماہرین علم توحید سے زائد دلالت، فکر رکھتے ہیں، کہ عقلی دلائل سے ذات کی توحید میں وہ قطعی دلائل رکھتے ہیں جو ہر اہل کشف کو نہیں بتائے جاتے، بلکہ چند اہل کشف کو ہی ملتے ہیں۔[2]

شیخ نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ لوگ خود میں علم باللہ تو پاتے ہیں لیکن یہ لازم نہیں کہ انہیں اس کی دلیل کا بھی بتایا جائے، البتہ ان میں چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہ علم دلیل کے ساتھ جانتے ہیں۔

[1] دوسرا راستہ عقل، برہان اور استدلال سے علم باللہ تک پہنچنا ہے۔ شیخ کے نزدیک یہ راستہ پہلے راستے سے کم مرتبت ہے، اور اس راستے میں عقل والے علما کو ایسے شبہات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جنہیں دور کرنا ممکن نہیں ہوتا اور بعض اوقات یہ شبہات ایسے لوگوں کو الحاد تک لے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ راستہ نہایت خطرناک ہے اور لازم نہیں کہ اس کا انجام خیر پر ہی ہو۔

[2] یہاں شیخ نے یہ بتایا کہ یہ لوگ جو عقل واستدلال سے توحید تک پہنچتے ہیں یہ فکر سے لا تعداد ایسے دلائل اپنے پاس رکھتے ہیں جو اہل کشف میں سے ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتے، بلکہ اس کا علم صرف چند اہل کشف کے پاس ہی ہوتا ہے۔ الحمد للہ شیخ اکبر کا تعلق اہل کشف کے اس درجے سے ہے جو ان عقلی توحیدی دلائل رکھنے والے علما سے زیادہ ان دلائل کو جانتے ہیں۔

جنت عدن میں چار گروہ:

یہ چار گروہ سفید کثیب ٹیلوں پر دیدار حق کرتے ہوئے جنتِ عدن میں ایک دوسرے سے متمیز ہوں گے، یہ وہاں چار مقامات پر ہوں گے: ایک گروہ منبروں پر ہو گا، یہ سب سے اونچا طبقہ ہے؛ یعنی رسول اورانبیا۔ دوسرا گروہ اولیا کا ہے جنھوں نے قول، عمل اور حال میں انبیا کی وراثت پائی، اور یہ اپنے رب کی واضح نشانی پر تھے، یہ پلنگوں اور تختوں پر ہوں گے۔ تیسرا طبقہ فکر کے راستے برہان عقلی سے علمائے باللہ کا ہو گا، یہ کرسیوں پر ہوں گے۔ جبکہ چوتھا طبقہ ان مومنین کا ہو گا جو اپنی توحید میں مقلد ہیں، اور ان کے بھی مراتب ہیں۔ یہ حشر میں عقلی توحید والوں سے آگے ہوں گے جبکہ کثیب میں عقلی توحید والے علما اِن مقلدوں سے آگے ہوں گے۔

زیارت الٰہی:

جب اللہ اس زیارتِ عام والے دن تجلی فرمانا چاہے گا؛ تو حق کا ایک منادی تمام جنتوں میں یہ منادی کروائے گا: اے جنتیو! اس عظیم احسان، قرب والے مقام اور اعلی منظر کی زیارت کو آؤ؛ جنت عدن میں اپنے رب کی زیارت کو آؤ۔ تو یہ سب جنت عدن میں جائیں گے، اور ہر گروہ اپنی منزلت اور مرتبہ جانے گا اور وہاں بیٹھ جائے گا۔

پھر وہاں ان کے سامنے اختصاص کے دستر خوان رکھنے کا حکم ہو گا، کہ انہوں نے ان جیسے دستر خوان نہ دیکھے ہوں گے، نہ اپنی زندگیوں میں اور نہ ہی اعمال کی جنتوں میں۔ اسی طرح ان میں وہ کھانا ہو گا جس جیسا کھانا انہوں نے اپنی منازل میں نہ چکھا ہو گا، اِس جیسے مشروب نہ پئے ہوں گے۔ پھر جب وہ اِس سے فارغ ہو جائیں گے تو انہیں وہ لباس پہنائے جائیں گے جس جیسے لباس انہوں نے کبھی زیب تن نہ کیے ہوں گے۔ اس کی سچائی جنت کے بارے میں آپ ﷺ کے اِس قول سے بھی ہوتی ہے:

"اس جنت میں وہ کچھ ہے جو نہ آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا، اور نہ جس کا خیال کسی بشر کی قلب پر گزرا۔[۱]" جب وہ اس سے بھی فارغ ہو جائیں گے تو وہ سفید مشک کے ٹیلوں پر کھڑے ہوں گے، اور وہاں ان کی جگہیں علم باللہ کے حساب سے ہوں گی، نہ کہ عمل کے حساب سے۔ کیونکہ عمل جنت کی نعمتوں سے مخصوص ہے رب کے دیدار سے نہیں۔

ابھی وہ کھڑے ہی ہوں گے کہ ایک نور انہیں خیــرہ کر دے گا، اور وہ سجدے میں گر پڑیں گے۔ یہ نور اُن کی ظاہری آنکھوں، باطنی بصیرتوں، جسم کے تمام اعضا اور ان کے نفوس کے لطائف میں سرایت کر جائے گا۔ کہ ان میں سے ہر شخص پوری کی پوری آنکھ اور پوری کی پوری سماعت بن جائے گا، وہ اپنی کل ذات سے دیکھے گا اور جہات اسے قید نہ کریں گی، وہ اپنی کل ذات سے سنے گا۔ یہ نور انہیں یہ کچھ دے گا: اسی کی بدولت وہ مشاہدے اور دیدار کے قابل ہوں گے، اور دیدار مشاہدے سے بھی اوپر ہے۔[۲]

---

[۱] یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی فرماتا ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے، جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ اس کا خیال کسی بندے کے قلب میں گزرا۔

[۲] شیخ اکبر فتوحات مکیہ جلد - ۱۲ میں فرماتے ہیں: زیارتِ عام والے دن دیدار کے حوالے سے جامع ترین بات یہی ہے کہ یہ دیدار دنیا میں اعتقادات کے حساب سے ہو گا۔ سو جس نے دنیا میں اپنے رب کے حوالے سے وہ اعتقاد رکھا جو اسے عقل نے بتایا، یا وہ اعتقاد رکھا جو اس تک کشف نے پہنچایا، یا وہ اعتقاد جس تک وہ اپنے رسول کی تقلید سے پہنچا، تو وہ اپنے رب کو اسی اعتقاد کی صورت میں دیکھے گا جو اس نے رکھا، ہاں اپنے نبی کی تقلید میں وہ اسے

پھر ان کے پاس اللہ کا ایک پیامبر آئے گا، انہیں کہے گا: اپنے رب کے دیدار کے لیے تیار ہو جاؤ کہ اب وہ تمہارے سامنے جلوہ افروز ہونے کو ہے، وہ تیار ہوں گے۔ پھر حق عزوجل ان کے سامنے آئے گا، اُس وقت اُن کے اور اُن کے خالق کے درمیان تین حجابات ہوں گے: حجاب عزت، حجاب کبریائی اور حجاب عظمت۔ وہ ان حجابات کی طرف نظر نہیں کر سکیں گے۔ تو اللہ عزوجل اپنے سب سے بڑے دربان سے کہے گا: میرے اور میرے بندوں کے درمیان سے یہ پردے ہٹا دو تا کہ میرے بندے مجھے دیکھ لیں، پس پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔

پھر حق تعالی اپنے اسم الجمیل اللطیف کے پردے کے پیچھے سے ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا۔ اس وقت وہ سب ایک آنکھ ہوں گے، اور ان پر ایسا نور چھا جائے گا جو ان کی ذوات میں سرایت کرے گا؛ جس سے وہ کل سماعت بن جائیں گے، رب کے جمال کی عظمت ان پر چھا گئی اور اس پاک جمال سے ان کی ذوات روشن ہوئیں۔

اسی صورت میں دیکھے گا جیسا کہ اس کے رسول نے اسے بتایا، اور جو اس رسول پر اپنے رب کی معرفت وحی کی گئی۔...

جہاں تک ان لوگوں کی بات ہے جو ان تک پہنچے ہر اعتقاد کو درست قرار دیتے ہیں تو ایسا شخص زیارت والے دن اپنے رب کو ہر اعتقاد کی آنکھ سے دیکھے گا۔ لہذا اپنے خیر خواہ کو چاہیے کہ اپنی دنیا میں تمام اعتقادات کو تلاش کرے، پھر ڈھونڈے کہ ہر اعتقاد رکھنے والے نے یہ اعتقاد کس لیے رکھا، سو جب یہ اعتقاد اس کے پاس اس خاص رخ سے ثابت ہو جائے کہ جس سے یہ اس کے ہاں درست ٹھہرے، اور وہ اس معتقد کے حوالے سے اسے بیان کرے، نہ اس کا انکار کرے اور نہ ہی رد، تو اس کا پھل وہ روز قیامت کھائے گا، چاہے یہ عقیدہ کچھ بھی ہو، اور یہی وسیع تر علم الہی ہے۔

حدیث رسول:

رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے مقامات کے حوالے سے حدیث النقاش میں جو فرمایا، یہ اُس کی تکمیل ہے: پھر اللہ جل جلالہ فرمائے گا: اے میرے بندو! تم پر سلامتی ہو، خوش آمدید، اللہ کی امان میں رہو، تم پر الرحمن الرحیم الحی القیوم کی سلامتی ہو ﴿طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِیۡنَ﴾ (الزمر: ۷۳) تم نے بہت اچھا کیا، سو اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ یہ جنت تمہیں مبارک ہو، لہذا اس کی نعمتوں کے مزے اڑاؤ، کرم والے کا ثواب پاؤ، اور دائمی خلود میں رہو۔ تم امن والے مومن ہو اور میں المومن المهیمن ہوں۔ میں نے اپنے نام سے تمہارا نام نکالا ﴿لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ﴾ (الاعراف: ۴۹) تمہیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غم ناک ہو گے۔ بیشک تم میرے اولیا، میرے ہمسائے، میرے اصفیا، میرے خاص اور محبوب بندے ہو، میرے گھر میں رہتے ہو تم پر سلامتی ہو۔

اے میرے مسلمان بندو! تم مسلمان ہو اور میں السلام ہوں، میرا گھر دار السلام ہے، میں تمہیں اپنا چہرہ بھی دکھاؤں گا جیسے تم میری آواز سن رہے ہو۔ سو جب میں تمہارے سامنے آؤں، اور اپنے چہرے سے پردے ہٹاؤں تو میری تعریف کرنا اور میرے گھر میں سلامتی اور امن سے ایسے داخل ہونا کہ تم مجھ سے محجوب نہیں۔ میرے پاس آؤ اور میرے قریب بیٹھو تاکہ تم مجھے دیکھو، مجھے قریب سے دیکھو؛ کہ میں تمہیں اپنے تحفے دوں، تمہیں اپنے انعامات سے نوازوں، تمہیں اپنے نور سے مخصوص کروں، اور تمہیں اپنے جمال سے ڈھانپ لوں، تمہیں اپنی بادشاہت وہب کروں، تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کروں، تمہیں اپنے ہاتھوں میں قید کر لوں، اور تمہیں اپنی خوشبوئیں سونگھاؤں۔

میں ہی تمہارا رب ہوں کہ تم نے بن دیکھے میری عبادت کی، مجھ سے خوف کھایا اور محبت کی۔ قسم ہے مجھے میری عزت اور جلال کی، اپنے علو اور کبریائی کی، اپنی عظمت اور رفعت کی کہ میں تم سے راضی ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اُس سے بھی جس سے تم محبت کرو، تمہارے لیے میرے پاس وہ سب ہے جس سے تمہارے اَنفس لذت پائیں اور تمہاری آنکھیں لطف اٹھائیں، تمہارے لیے میرے پاس وہ سب ہے جو تم مانگو اور چاہو، اور جو تم چاہو وہی میری چاہت ہے، لہذا مجھ ہی سے مانگو اور مت شرماؤ، اس مانگنے سے مت ہچکچاؤ اور مت شرم کھاؤ، کہ میں ہی اللہ الجواد، الغنی، الملی الوفی اور سچا ہوں۔

یہ میرا گھر ہے جس میں میں نے تمہیں ٹھہرایا، یہ میری جنت کہ اِسے تمہارا مسکن بنایا، اور تمہیں اپنا آپ دکھایا، یہ میرے جود و سخاوت والے کھلے ہاتھ ہیں، میں یہ کبھی تم پر بند نہیں کروں گا۔ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کبھی تم سے اپنی نظر نہیں پھیروں گا۔ جو چاہیے اور جس چیز کی تمنا ہے مجھے بتاؤ۔ کہ میں نے تمہیں خود سے قریب کیا، میں ہی تمہارا ساتھی اور انیس ہوں۔ اب اس کے بعد کوئی حاجت اور فاقہ نہیں، کوئی تنگی اور مسکینی نہیں، کوئی کمزوری اور بڑھاپا نہیں، کوئی غصہ، غضب اور منہ پھیرنا نہیں؛ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

تمہاری نعمتیں ابدی نعمتیں ہیں، تم امن کے مقیم اور رہائشی ہو، تم نعمت اور کرم کے باسی ہو، تم ہی وہ شرف والے سردار ہو جنہوں نے میری اطاعت کی اور میری حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کیا؛ اپنی خواہشات مجھے بتاؤ کہ میں انہیں کرامت اور نعمت سے پورا کروں۔

وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! یہ ہماری خواہش اور تمنا نہیں، بلکہ ہماری تمنا تو

آپ کے رخ انور کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دیدار کرنا ہے، کہ آپ ہم سے راضی ہو جائیں۔
پھر وہ سب سے بلند، مالک الملک، سخی و کریم تبارک و تعالی ان سے کہے گا: یہ میرا رخ انور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارے سامنے ہے؛ اسے دیکھو اور خوش ہو جاؤ، کہ میں تم سے راضی ہوں۔ مزے اڑاؤ، اپنی بیویوں کے پاس جاؤ، گلے لگو اور نکاح کرو، اپنے بچوں کے پاس جاؤ، ہنسی مذاق کرو، اپنے گھروں کو جاؤ، اپنے باغات میں پھرو، اپنی سواریوں پر سوار ہو اور اپنے تختوں پر تکیے لگاؤ۔ جنت میں اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے خوش ہو جاؤ، اپنے رب کے تحفے قبول کرو، اپنے لباس پہنو اور اپنی مجالس میں گپیں لگاؤ۔

پھر پھیلے سایوں میں، امن والی جا اور محبوب کے ساتھ ایسا قیلولہ کرو جس میں نہ نیند ہو نہ کوئی تکلیف، پھر کوثر، کافور، پاک پانی، تسنیم، سلسبیل اور زنجبیل کی نہروں پر جاؤ، ان کا پانی پیو اور ان سے نہاؤ؛ یہ تمہارے لیے پاک اور بہترین جگہیں ہیں۔ پھر سبز رفرف کے بہترین کپڑے سے بنے اونچے تختوں پر پھیلے سایے اور بہتے پانی کے قریب تکیے لگا کر بیٹھو۔ وہاں جہاں لاتعداد پھل ہوں گے جو نہ کسی موسم سے مخصوص ہوں گے اور نہ ہی انہیں کھانا ممنوع ہو گا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ (۵۵) هُمْ وَ أَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ (۵۶) لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ (۵۷) سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (۵۸)﴾ (یس: ۵۵-۵۸) بیشک اہل جنت آج شغل میلے میں ہیں۔ وہ اور ان کی ازواج تختوں پر سایوں میں تکیے لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے لیے وہاں پھل بھی ہیں اور وہ سب جو وہ چاہیں، انہیں رب رحیم کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔ پھر اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ﴿أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ أَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۴) اس روز اہل جنت بہترین ٹھکانے اور خوب

تر مسندوں پر ہوں گے۔ یہاں پر ابو بکر النقاش کی حدیث کا اختتام ہے جس کی سند ہم نے قیامت کے باب میں مواقف کی حدیث میں ذکر کی۔

حجابات کا اٹھنا:

پھر اس خطاب کے بعد حق تعالی حجاب اٹھائے گا،[1] اپنے بندوں کے سامنے آئے گا، تو وہ سجدے میں جا گریں گے، انہیں کہے گا: اپنے سر اٹھاؤ کہ یہ سجدے کی جا نہیں۔ اے میرے بندو! میں نے تمہیں اس لیے دعوت دی ہے کہ تم میرے مشاہدے سے لذت پاؤ۔ وہ جب تک چاہے گا انہیں اِس مشاہدے میں رکھے گا۔ پھر ان سے پوچھے گا: کیا اب بھی کسی شے کی تمنا باقی ہے؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اب اس کے بعد کیا تمنا باقی ہے، کہ تو نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، ہمیں اپنی رضا کے گھر میں ٹھہرایا، ہمیں اپنی ہمسائیگی کا شرف بخشا، ہمیں اپنے کرم کے کپڑے پہنائے اور اپنا دیدار کروایا۔ حق عزوجل ان سے کہے گا: ابھی ایک چیز باقی ہے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! وہ کیا؟ وہ فرمائے گا: میری دائمی رضا باقی ہے، کہ اب میں کبھی تم پر غضب ناک نہ ہوں گا۔

یہ کیا ہی میٹھے الفاظ ہوں گے اور کیا ہی لذت والی بشارت ہو گی۔ حق سبحانہ نے ہمیں کلام سے تخلیق کیا، "کُن" کہا تو ہم نے سب سے پہلے سماعت سے ادراک کیا، چنانچہ اسی پر اختتام کیا جس سے شروع کیا۔ یہ بشارت دی تو سماعت پر اختتام کیا۔ لوگ حق سبحانہ کی رویت میں بھی مختلف درجات پر ہوں گے، یہ بڑے عظیم درجات ہیں اور ان کا تفاوت ان کے علم کے حساب سے ہے، کوئی زیادہ علم والا ہے تو کوئی کم علم والا۔

---

[1] جیسا کہ شیخ اکبر بار بار بتا چکے ہیں کہ وہ باقی تمام حجابات اٹھا دے گا لیکن ایک حجاب باقی رہے گا۔

پھر اللہ فرشتوں کو حکم دے گا: انہیں ان کے محلوں میں چھوڑ آؤ، کہ اب دو وجوہات کی بنا پر یہ خود نہیں جاسکتے: ایک دیدار کا نشہ اور دوسرا راستے میں وہ خیر کثیر پانا کہ راستہ بھول جانا۔ اگر فرشتے انہیں چھوڑنے نہ جائیں تو یہ اپنے گھر تک بھول جائیں۔ پھر جب یہ اپنے گھروں کو پہنچیں گے تو گھر والے، یعنی حوریں اور غلام ان کا استقبال کریں گے۔ ان کے غلام دیکھیں گے کہ ان کے چہروں سے حسن و جمال اور نور کی بارش ہو رہی ہے، اور یہی نور یہ اپنے غلاموں تک پہنچائیں گے۔ ان سے کہیں گے: تم تو حسن و جمال اور نور میں کہیں بڑھ گئے ہم تمہیں ایسے تو چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ ان کے اہل ان سے کہیں گے: تم بھی حسن و جمال اور نور میں کہیں بڑھ کر لوٹے ہو جاتے وقت تو ایسے نہ تھے؛ یوں وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

یہ جان کہ راحت اور مطلق رحمت تو صرف جنت میں ہی ہے۔ اگرچہ رحمت کوئی وجودی معاملہ نہیں، بلکہ یہ تو اُس شے سے عبارت ہے جس سے مرحوم خوشی اور لذت پائے، اور یہ (خوشی اور لذت پانا) ایک وجودی معاملہ ہے۔ پس جنت میں ہر کوئی مسرور ہو گا، اور وہاں کی ہر نعمت اور عمل تکان اور تھکاوٹ کے بغیر ہو گا۔ البتہ وہاں نیند کی راحت نہیں ہو گی؛ کیونکہ وہ وہاں جاگتے رہیں گے۔ لہذا نیند کی لذت ان کے لیے نہیں، نیند کی لذت تو صرف اہل دوزخ کو حاصل ہو گی، کیونکہ نیند کی راحت جہنم میں ہے۔[1]

دوزخ کے عذاب میں شدت:

عذاب کے دوران اللہ تعالی کی رحمت اہل دوزخ کو یوں اپنی لپیٹ میں لے گی کہ آگ مدہم کر دی جائے گی، پھر دوبارہ سے بھڑکائی جائے گی؛ سو جس قدر آگ مدہم

[1] جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا اہل دوزخ کی راحت نیند میں ہو گی۔

ہو گی اسی قدر ان کے عذاب میں بھی کمی ہو گی، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ (الإسراء: ۹۷) جب جب یہ آگ مدہم ہو گی ہم انہیں مزید جلائیں گے اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ محسوس آگ ہے۔ کیونکہ آگ کو اس وصف سے اسی وقت موصوف کیا جاتا ہے جب وہ اجسام سے جڑے۔ بیشک آگ کی حقیقت اپنی ذات میں یہ وصف قبول نہیں کرتی، نہ کمی اور نہ زیادتی، بلکہ یہ تو آگ میں جلتے جسم کا وصف ہے جو آگ سے جلتا ہے۔

اگر ہم اسی آیت کا ایک دوسرا رُخ دیکھیں تو کہیں گے: اُس متعال نے فرمایا: ﴿جب جب یہ مدہم ہو گی﴾ یعنی وہ آگ جس نے ان کے اجسام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، ﴿تو ہم انہیں﴾ یعنی عذاب میں گرفتار ان لوگوں کو اور بھڑکا دیں گے، اُس نے یہ نہیں کہا کہ آگ کو بھڑکائیں گے، اِس کا مطلب ہے یہ عذاب ان کے باطن تک پہنچ جائے گا جو اِس کا شدید ہونا ہے۔ حسی عذاب انہیں اس معنوی عذاب سے مشغول رکھے گا۔ پھر جب یہ باہر والی آگ مدہم ہو گی اور انہیں حسی عذاب سے تھوڑی راحت ملے گی، تو اللہ ان پر وہ خیالات مسلط کرے گا کہ وہ کہاں کہاں کوتاہی کے مرتکب ہوئے، کہ اگر وہ یہ اعمال کر لیتے تو سعادت پاتے، اُس وقت وہم اپنی قوت سے اُن پر مسلط ہو جائے گا۔ لہذا وہ اس حسی عذاب سے بھی بڑھ کر عذاب جھیلیں گے، اور اُن کے نفوس میں قائم واہموں سے انہیں اس عذاب سے بھی شدید عذاب ہو گا جو حسی آگ کا ان کے جسموں کو جلانے سے ہے۔ یہ آگ جس نے انہیں وہم میں ڈالا، یہ وہی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جاتی ہے، اور اس کے بارے میں ہمارا کہنا ہے:

آگ دو طرح کی ہے، ایک تو یہ شعلے والی آگ اور دوسری وہ معنوی
آگ جو روح تک جا پہنچتی ہے، اس معنوی آگ میں نہ شعلہ ہے نہ جھلسن،

البتہ اس کا درد دل پر نقش ہوتا ہے۔

اہل جنت کی تمنائیں:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو جو کچھ دیا اس سے بڑھ کر ان کی وہ تمنائیں بھی پوری کرے گا جو ان کے گمان میں آئیں۔ وہ اس طرح کہ اگر کوئی شخص ایسا گمان یا تمنا کرے گا تو اُس کے گمان اور تمنا کے مطابق ہو جائے گا۔ اگر یہ معنوی تمنا ہوئی تو معنوی طور پر ہو گا اور اگر یہ حسی وہم ہوا تو حسی عطا ہو گی، چاہے کچھ بھی ہو۔ یہ نعمتیں اختصاص کی جنتیں اور ان کی نعمتیں ہیں۔ یہ اس وہم اور تمنا کی جزا ہے جو وہ یہاں دنیا میں کیا کرتا تھا کہ کاش ایسا ہو جائے کہ وہ پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرے، اور یہ کہ وہ اس کا اطاعت گزار ہو، اور اس کا شمار بھی اس کے صالح بندوں میں ہو، لیکن دنیا میں اس پر اتنی عنایت نہ ہو سکی۔ پھر جنت میں وہ یہ تمنا کرے گا؛ تو اسے وہ مل جائے گا جو اس نے تمنا یا گمان کیا۔ اللہ نے اُسے دنیا میں بھی اِن مشقت والے اعمال سے راحت بخشی اور آخرت میں بھی وہ عالی درجات والے لوگوں سے جا ملا۔

رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ ایک شخص جس کے پاس نہ طاقت تھی نہ مال تھا، وہ جب کسی مال دار کو صدقہ کرتے، کسی کی گردن چھڑاتے دیکھتا، کہ وہ لوگوں کو کثرت سے دیتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، اور وہ کام کرتا ہے جو کوئی مال دار ہی کر سکتا ہے، یا اگر کوئی عبادات کے معاملے میں قوت رکھتا ہے، کہ اب اس کے جسم میں تو اتنی قوت بھی نہیں کہ وہ یہ عبادتیں کر سکے، اور اگر یہ تمنا کرے کہ کاش اِس کے پاس بھی اس شخص جتنا مال یا قوت ہوتی تو یہ بھی اس جیسا عمل کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں اجر میں ایک جیسے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اسے جنت میں اس تمنا کے حساب سے انعامات دیے جائیں گے جو ان اعمال کا نتیجہ ہوں؛ یوں

اس کی تمنا پوری ہوگی۔ یہ لذت اور نعمت میں اس سے بڑھ کر ہوں گی کہ اگر اسے تمنا کے بغیر ہی جنت میں یہ سب دے دیا جائے، لیکن چونکہ یہ نعمتیں اس کی تمنا کا نتیجہ ہیں تو ان کی لذت بھی دوبالا ہوگی۔

اختصاص کی جنتیں:

اختصاص کی جنتوں میں وہ کچھ بھی ہے جو اللہ وہاں اُس شخص کی توجہ اور تمنا سے تخلیق کرے گا؛ یہ ایک معقول اور متوہم معاملے سے اختصاص ہو گا، اور ایسی تمنا جس کے پھل کا وجود دنیا میں نہ ملا، ہمارے اس قول میں اختصاص سے ہماری یہی مراد ہے:

جنت کے مراتب اعمال اور اختصاص کے مابین تقسیم ہیں۔ سو اے دور اندیشو! ان نیک اعمال میں سبقت دکھاؤ جن سے فرار نہیں۔ بیشک لفظ "بلیٰ" نے ہمارے بچوں کو اعمال کے آثار میں صرف اخلاص دیا[1]۔ کیونکہ یہ ان کے لیے مشروع نہ تھا، یہ وہ اختصاص ہے جس میں کوئی کمی نہیں۔

دوسرے اختصاص سے ہماری مراد وہ ہے جو تمنا یا گمان سے نہیں۔ اور پہلے اختصاص سے ہماری مراد تمنا اور گمان سے ہے؛ یعنی وہ جو دنیاوی تمنا اور گمان کا نتیجہ ہے۔

جہاں تک مذموم تمناؤں کی بات ہے تو ان کا نتیجہ نہیں ہوتا، البتہ ان تمناؤں والا بھی حال میں لذت پاتا ہے جیسا کہ کہا گیا:

اگر میری امیدیں بر آئیں تو یہ بڑی اچھی امیدیں ہیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو

---

[1] یعنی جو بچے کم سنی میں فوت ہوئے تو انہوں نے اعمال نہ کیے، لہذا وہ اختصاص کی جنت میں جائیں گے۔

ہم ان کے ساتھ ایک مدت تمنا میں جیے ہیں۔

لیکن انجام میں حسرت ہے، اور اسی بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:
﴿وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ (الحدید؛ ۱۴) اور تمہیں امیدوں نے دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچا۔ اور اسی بارے میں کہا جاتا ہے:
﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۴) اُس روز اہل جنت بہترین ٹھکانے اور اچھے گھروں میں ہوں گے۔ کیونکہ خیر اور شر کے مابین کوئی مقابلہ نہیں، اہل جنت کی خیر اس سے بہت بہتر اور اچھی ہوگی جو کافر دنیا میں سوچتا ہے کیونکہ یہ واقع موجود اور محسوس ہوگی۔ وہ کافر سوچتا ہے کہ وہ اپنے کفر سے اسے پا سکتا ہے یہ اس کی جہالت ہے۔ اسی لیے اسے خیر اور بہتر کہا۔ یہ باہم تفاضل کا صیغہ ہے یعنی احسن افعل سے ہے، یہ معنی سمجھ۔ بیشک اللہ ہی حق بات کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

فتوحات مکیہ
باب نمبر ۳۷۱
جنت اور جہنم سے متعلق وہ امور جو پچھلے ابواب میں شامل نہ ہوئے

اس باب میں ہم جہنم اور جنت کی ہئیت اور ان میں موجود اشیا کے حوالے سے وہ کچھ ذکر کریں گے جس کا ذکر جنت اور جہنم کے باب میں نہ ہو سکا۔ ہم یہ سب مثالوں کی شکل میں بتائیں گے تاکہ اُس شخص پر یہ سب سمجھنا آسان ہو جو مثالوں کے بغیر معانی سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتا، جیسا کہ اللہ نے قلوب کے لیے وادیوں کی مثال بیان کی کہ جب ان پر بارش برسے، یا جیسے اس نے اپنے نور کے لیے چراغ کی مثال بیان کی؛ یہ اس لیے تاکہ وہ کم فہموں تک یہ معاملہ پہنچائے، جو اس کا یہ کہنا ہے: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ(۳)عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (الرحمن: ۳-۴) اس نے انسان کو تخلیق کیا اور اسے بیان سکھایا؛ یعنی اس پر واضح کیا تو وہ جان گیا کہ وہ کیسے دوسروں پر واضح کرے۔

اس باب کی تیسری فصل سے اقتباس:

جنت عدن کی تخلیق:

اللہ تعالی نے جنت عدن کو اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا، اور اسے بادشاہ کا محل اور قلعہ بنایا، پھر اس میں مسک کے سفید ٹیلے بنائے، یہ وہ ظاہر صورت ہے کہ جس میں رب دیدار کے وقت اپنے بندوں کے سامنے جلوہ آرا ہو گا، جیسے حیوان کی مسک یعنی

جلد، یہی وہ ظاہری شے ہے جو دیکھتے وقت حیوان میں نظر آتی ہے۔[1] جنت کے درخت تو فرشتوں نے لگائے ہیں مگر درخت طوبیٰ حق تعالی نے اپنے ہاتھوں سے جنت عدن میں لگایا، پھر اسے اتنا پھیلایا کہ اِس کی شاخیں جنتِ عدن کی فصیلوں تک جا پہنچیں، اور اس کا سایہ ساری جنتوں پر پھیل گیا۔ اس کے شگوفوں میں پھل نہیں ہوگا مگر سونے چاندی کے زیورات اور کپڑے ہوں گے؛ حسن و جمال میں اضافہ کرتا اہل جنت کا لباس اور ان کی زینت جنت کے انہی درختوں میں سے ہوگی۔ کیونکہ درخت طوبیٰ کو یہ فضیلت والا اختصاص حاصل ہے کہ اسے اللہ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ہے۔ اہل جنت کا لباس سوت سے نہیں کاتا جائے گا، بلکہ ان کے لباس سے جنت کے پھل نکلیں گے جیسے کہ یہاں پھول سے شگوفہ نکلتا ہے، جیسے گل باد یا ان دونوں سے ملتے جلتے دیگر پھول۔

اہل جنت کے کپڑے:

کشفی طور پر ایک صحیح حدیث میں آیا ہے جو نقلاً حسن ہے: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا، کہنے لگا: یارسول اللہ! یا کوئی شخص کھڑا ہوا،۔ مجھے اس میں شک ہے۔ کہنے لگا: یارسول اللہ! اہل جنت کے کپڑے کیسے ہوں گے؛ کیا وہ بنے بنائے ہوں گے یا سوت سے کاتے جائیں گے؟ تو لوگ اس کے سوال پر ہنسنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بہت ناگوار گزرا، آپ بولے: کیا تم اس بات پر ہنس رہے ہو کہ ایک جاہل نے ایک عالم سے سوال کیا ہے؟ پھر آپ نے سوالی کی طرف اشارہ کر کے کہا: بلکہ ان لباسوں سے جنت کے پھل پھوٹیں گے۔ چنانچہ لوگوں

[1] شیخ اکبر فرمار ہے ہیں کہ مسک جانور کی جلد ہوتی ہے، یعنی وہ شے جو آنکھوں پر ظاہر ہوئی۔ اسی طرح اس مقام پر اہل جنت رب کا دیدار کریں گے۔

کو وہ علم ملا جو وہ پہلے نہ جانتے تھے۔

جنت کے مقامات:

ساری جنتیں جنت عدن کے ارد گرد ہیں، ہر دو جنتوں کے مابین ایک دیوار ہے جو انہیں ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے، اور اُس نے ہر جنت کا نام اُس نام پر رکھا کہ جس کا معنی ہر جنت میں جاری ہے، اگرچہ صرف یہ جنت اِس نام سے مخصوص ہے، لیکن یہ نام جو اس سے مخصوص ہے وہ اس کے معنی کی سب سے افضل اور امکن جا ہے۔ جیسے آپ ﷺ کا یہ قول: ”تم میں سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا علی ہے، اور تم میں حلال اور حرام کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ بن جبل ہے، اور تم میں فرائض کا علم سب سے زیادہ زید بن ثابت کے پاس ہے۔“[1] اگرچہ ان میں سے ہر ایک قضا کا علم رکھتا ہے، حلال و حرام اور فرائض کو جانتا ہے؛ لیکن اس کا نام لیا جو اس سے مخصوص ہے۔ اور وہ جنتیں یہ ہیں: جنتِ عدن، جنتِ فردوس، جنتِ نعیم، جنتِ ماوی، جنتِ خلد، جنتِ السلام، جنتِ مقامہ، اور وسیلہ؛ جو کہ جنتوں میں بھی اعلی ترین جنت ہے؛ کہ جنت عدن سے لے کر آخری جنت تک ہر ایک میں یہ مقام ہے۔ اس کی ہر جنت میں

---

[1] یہ حدیث سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد بن حنبل میں درج ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابو بکر ہے، اور اللہ کے دین میں ان پر سب سے سخت عمر ہے، اور ان میں حیا میں سب سے آگے عثمان ہے، ان میں سب سے بہتر فیصلہ علی بن ابی طالب کا ہے، ان میں کتاب اللہ کا سب سے بہترین قاری ابی بن کعب ہے، اور سب سے بڑھ کر حلال اور حرام کی معرفت معاذ بن جبل کے پاس ہے، سب سے زیادہ فرائض کا علم زید بن ثابت کے پاس ہے، جان لو کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے۔

ایک صورت ہے، جو صرف رسول اللہ ﷺ سے مخصوص ہے۔ آپ کو یہ مقام آپ کی امت کی دعا سے ملا؛ یہ اللہ کی حکمت تھی، کہ لوگوں نے آپ کی بعثت سے سعادت پائی، آپ نے انہیں اللہ کی جانب بلایا، لوگوں پر اللہ کی طرف سے نازل احکام واضح کیے، یہ پورا بدلہ ہے۔ پھر اس نے ان جنتوں کی زمین ستاروں والے فلک کی چھت بنائی، اور یہی دوزخ کی چھت ہے۔[1] اس کا ذکر بھی اسی باب میں آگے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جنت کے درجات اور منازل:

اس نے ہر جنت کے سو درجے بنائے؛ یہ اسمائے حسنیٰ کی تعداد پر ہیں، اور وہ اسم اعظم[2] جو بتایا نہیں جاتا؛ اس سے اسما طاق ہوئے۔ یہ وہ اسم ہے جس سے حق عالم سے متمیز ہوتا ہے۔ وہ خاص درجہ وسیلہ کی طرف نظر رکھتا ہے، اور اس کا ہر جنت میں حکم ہے، جیسا کہ اس کے لیے ہر اسم الٰہی کا حکم ہے، یہ سمجھ۔ جنت کی منازل قرآنی آیات کی تعداد پر ہیں: ان میں سے جو ہم تک پہنچیں تو وہ منازل ہم نے قراءت سے حاصل کیں، اور ان میں سے جو ہم تک نہ پہنچیں وہ ہم نے اختصاص کی جنتوں میں اختصاص سے حاصل کیں، جیسا کہ ہم نے اہل دوزخ ـ وہ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ـ

---

[1] جنت کی زمین دوزخ کی چھت ہے، جنت میں درجات ہیں تو دوزخ میں درکات ہیں۔ درجات میں چڑھا جاتا ہے اور درکات میں اترا جاتا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ جنت دوزخ کے اوپر ہے اور دوزخ جنت کے نیچے ہے۔ شیخ اکبر کے بقول آج کا دار دنیا اور ارض محشر کل دوزخ کا علاقہ ہو گا۔

[2] شیخ اکبر لکھتے ہیں: خاص اور عام سب جانتے ہیں کہ یہاں ایک ایسا اسم بھی ہے جسے اسم اعظم کہا جاتا ہے، یہ آیت الکرسی اور سورہ آل عمران کی ابتدا میں ہے۔

کی جنتیں میراث سے حاصل کیں۔

جنت کے آٹھ دروازے:

جنت کے دروازے مکلف اعضا کی تعداد پر آٹھ ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، اور خود کو کچھ کرنے کا نہ کہا تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے گئے کہ اب ان میں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ سارے دروازوں سے کیوں نہیں داخل ہوتا؟ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کی بات کا اثبات کیا۔ اور ایک دوسری روایت میں کہا مجھے امید ہے کہ تم انہی میں سے ہو۔ پس ہر عضو کا ایک باب ہے، اور یہ اعضا آٹھ ہیں: آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیٹ، شرم گاہ، ٹانگ اور دل۔ جب انسان ایک وقت میں ان تمام اعضا سے کام لیتا ہے تو وہ جنت کے آٹھوں دروازوں سے داخل ہوتا ہے، کہ داخل ہوتے وقت وہ اِن میں سے ہر ایک سے کچھ کرتا ہے۔ آخرت کی نشات برزخ اور انسان کے باطن سے مشابہت رکھتی ہے؛ یہ مشابہت اِس حیثیت میں کہ وہ خیال والا ہے۔

جنت کے روشن دان:

جنت میں ۷۹ روشن دان ہیں؛ اور یہ ایمان کی شاخیں ہیں جو ستر سے کچھ زائد ہیں، یہاں کچھ زائد سے مراد نو ہیں۔ کیونکہ عربی لفظ "بضع" ایک سے نو تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایمان کی سب سے کم درجہ شاخ "راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے" اور اس کا سب سے اعلی درجہ: لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ ان دونوں کے درمیان اعمال اور اچھے اخلاق کے مقامات ہیں۔ سو جو کوئی اچھے اخلاق اپنائے تو وہ ایمان کی کسی

شاخ پر ہی ہے،[1] چاہے وہ مومن نہیں؛ جیسا کہ اُسے خواب میں بشارت دی جائے اور

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ جلد-۳۶ میں اس کی تفصیل یوں درج کی ہے:

ایمان کی ستر سے زائد شاخیں: کرنے اور نہ کرنے والے فرض (اعمال) ہیں، جہاں تک فرائض کے علاوہ مستحب یا مکروہ اعمال کا تعلق ہے، تو شاید کوئی اِن کا احاطہ نہیں کر سکتا؛ لہٰذا انہیں کتاب اور سنت میں تلاش کر۔

ایمان کی شاخیں یہ ہیں: توحید و رسالت کی گواہی دینا، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، جہاد، وضو، جنابت کا غسل، جمعے کا غسل، صبر، شکر، پرہیز گاری، حیا، امان، اخلاص یا نصیحت، حکمرانوں کی اطاعت، ذکر، تکلیف کا دور کرنا، امانت کی ادائیگی، مظلوم کی نصرت کرنا، اور ظلم، حقارت، غیبت، چغل خوری اور تجسس کا ترک کرنا، اجازت طلب کرنا اور آنکھوں کا جھکانا، غور و فکر کرنا، اچھی بات سننا اور اُس پر عمل کرنا، اچھے طریقے سے دفاع کرنا، بُری بات علانیہ نہ کہنا، کلمہ طیبہ، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، زبان کا سنبھالنا، توبہ، توکل اور خشوع (جیسی صفات رکھنا)، فضولیات کا ترک کرنا، کرنے کے کام کرنا اور جن سے واسطہ نہ ہو انہیں چھوڑ دینا، عہد پیمائی اور وعدہ وفائی کرنا، نیکی کے کاموں میں تعاون اور برائی اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کرنا، تقوی، احسان، اطاعت و خضوع، سچائی و نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا، لوگوں کے درمیان صلح صفائی کروانا اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا، نرمی اور مہربانی سے پیش آنا، والدین کے ساتھ احسان کرنا، اور ان سے تعلق جوڑے رکھنا، دعا مانگنا، مخلوق پر رحم کرنا، بڑوں کی عزت کرنا اور اُن کے مقام کو سمجھنا، چھوٹوں پر رحم کرنا، اللہ کی حدود پر قائم رہنا اور جاہلیت کی للکار کو چھوڑ دینا؛ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ پکار خبیث ہے" محبت سے پیش آنا، اللہ کی خاطر محبت اور نفرت کرنا، تحمل مزاجی، حلیمی، پاکبازی اور سادگی اپنانا، ایک دوسرے سے رخ نہ پھیرنا، حسد نہ کرنا، بغض نہ رکھنا، ایک دوسرے کو نہ بھڑکانا، جھوٹی گواہی نہ دینا، جھوٹ نہ بولنا، آنکھوں آنکھوں یا اشاروں کنایوں میں

خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے، حالانکہ خواب دیکھنے والا نبی نہیں۔ اللہ کی عمومی رحمت کو سمجھ۔[1] نبوت کا اطلاق اُس پر ہے جو اس کی ہر شے سے متّصف ہوا؛ یہی نبی ہے۔ اور اِس نبوت سے ہمیں روک دیا گیا کہ یہ ختم ہو گئی؛ اس میں ایک خاص چیز فرشتہ بھیج کر وحی سے شریعت کا ملنا ہے، اور ایسا صرف خاص نبی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

یہ بھی لازم ہے کہ جو ایمان کی اس شاخ سے متّصف ہوا اور جس میں یہ قائم

غیبت اور بدگوئی نہ کرنا، جماعات میں حاضر ہونا، سلام پھیلانا اور تحائف دینا، اچھے اخلاق سے پیش آنا، نیک طریقے پر ہونا، عہد کا پاس کرنا، راز چھپانا، نکاح کرنا اور کروانا، نیک شگونی (فال) کو پسند کرنا اور اہل بیت سے محبت رکھنا، بد شگونی کو چھوڑ دینا، عورتوں سے محبت کرنا، خوشبو پسند کرنا، انصار سے محبت کرنا، شعائر اور اللہ کی حرمات کی تعظیم کرنا، دھوکا نہ دینا، کسی مومن کے سامنے ہتھیاروں کی نمائش نہ کرنا، میت کو دفنانا اور جنازہ پڑھنا، مریض کی عیادت کرنا اور راستے سے تکلیف دور کرنا، اور یہ کہ ہر مومن کے لیے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے پسند کرنا، اور یہ کہ تجھے اللہ اور اس کا رسول سب سے بڑھ کر محبوب ہوں، اور یہ کہ تو کفر کی طرف لوٹنے کو ناپسند کرے، اور یہ کہ تو اللہ کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں، اور جو کچھ رسول اللہ کی طرف سے لے کر آئے ۔ جس کا کثرت کے باعث شمار نہیں۔سب پر ایمان رکھے۔

جو کوئی کتاب اللہ اور حدیثِ رسول کی تلاش میں رہتا ہے، تو وہ وہاں یہ سب موجود پاتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا، اور وہ کچھ بھی جس کا میں نے تذکرہ نہیں کیا۔

[1] شیخ نے ایک مثال سے بتایا ہے کہ جیسے خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے لیکن خواب دیکھنے والا نبی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اچھے اخلاق ایمان کی شاخیں ہیں لیکن لازم نہیں کہ کسی غیر مومن میں یہ اچھے اخلاق نہ ہوں۔

ہوئی اُس میں اِس کا حکم اور اثر ظاہر ہو۔ کیونکہ جب اللہ نے اپنے رسول کی زبانی اس ایمانی شاخ کا بتایا؛ تو ایمان کی جانب اس کی اضافت اطلاق کی صورت میں کی، اور ایمان کو اس میں قید نہ کیا، بلکہ "ایمان" کہا، اور اِس پر ایمان مطلق ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے،... اور ایمان کی ہر شاخ کا راستہ جنت کی طرف جاتا ہے۔...

جنت میں درخت طوبیٰ:

اور یہ بھی جان کہ جنت کے تمام درختوں کے لیے درخت طوبیٰ ویسا ہی ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام تمام بنی آدم کے لیے ہیں۔ کیونکہ جب اللہ نے اپنے ہاتھ سے اسے لگایا، اور اسے برابر کیا تو اس میں اپنی روح پھونکی۔ جیسا کہ مریم کے ساتھ کیا: کہ ان میں اپنی روح پھونکی؛ تو عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کیا کرتے تھے، اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کرتے۔ پس آدم کا شرف دونوں ہاتھوں سے تخلیق اور اس میں روح کا پھونکا جانا ہے۔ اور اسی روح پھونکنے کی وجہ سے آدم نے اسما کا علم جانا کیونکہ وہ دونوں ہاتھوں سے مخلوق ہے۔ کہ اسی جامعیت سے اس نے یہ شرف پایا اور خلافت کا حق دار ٹھہرا، مال اور اولاد تو دنیاوی زندگی کی زینت ہے۔ حق نے درخت طوبیٰ کو اپنے ہاتھ سے لگایا، اس میں اپنی روح پھونکی، اسے حلی اور حلل کے پھلوں سے آراستہ کیا کہ جس میں ان کے پہننے والوں کی زینت ہے۔...

اس باب کی پانچویں فصل سے اقتباس:

صور میں پھونکنا:

یہ جان کہ جب صور میں پھونکا جائے گا، اور قبروں سے مخلوق باہر نکالی جائے

گی، جب لوگوں اور وحشی جانوروں کو جمع کیا جائے گا ﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ (الزلزال: ۲) جب زمین اپنے بوجھ باہر نکالے گی، اور اس کے اندر صرف اس کا عین ہی رہ جائے گا؛ یہ نکالنا اخراج ہوگا نہ کہ نبات کی طرح اگنا؛ یہی دنیا کی ظاہری نشات اور آخرت کی ظاہری نشات میں فرق ہے؛ کہ پہلی نشات میں ہم زمین سے نبات کی شکل میں نکلے، یعنی جیسے بتدریج نباتات اس میں اگتی ہیں، اور آہستہ آہستہ ہمارا جسم طول اور عرض میں بڑھتا گیا۔ لیکن نشات آخرت میں ہم زمین سے ایسی صورت میں نکلیں گے کہ جس پر حق ہمیں نکالنا چاہے گا۔۔۔

پھر جب زمین اپنے بوجھ باہر نکالے گی اور یہ بتائے گی کہ اب اس میں ایسا کچھ نہیں رہا کہ جو پہلے تھا؛ تو تمام مخلوق کو اس تاریکی میں لایا جائے گا جو پل سے نیچے ہوگی؛ اور انہیں تاریکی میں گرا دیا جائے گا کہ لوگ ایک دوسرے کو بھی نہ دیکھ پائیں گے، اور نہ یہ دیکھیں گے کہ زمین و آسمان کیسے تبدیل کیے گئے؛ یہاں تک کہ یہ مرحلہ مکمل ہو۔ پہلے زمین کو ہموار سطح کی طرح پھیلایا جائے گا ﴿لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ (طه: ۱۰۷) کہ تو اس میں اونچا نیچا کچھ نہ دیکھے گا، اِسے سَاہرہ کہتے ہیں اور اس میں نیند نہ ہوگی؛ کہ دنیا کے بعد آگے نیند نہ ہوگی۔ فلک کواکب سے نیچے والا تمام حصہ دوزخ میں شامل ہو گا، اسی لیے اس کا نام جہنم پڑا کہ اس میں بہت زیادہ گہرائی ہے، کہاں زمین کی گہرائی؟ اور پُل صراط زمین سے اوپر کی طرف فلک مکوکب کی سطح تک سیدھا رکھا جائے گا؛ اور اس کا اختتام اس چراگاہ پر ہوگا جو جنت کی چار دیواری کے باہر ہے۔

جنت سے باہر ایک چراہ گاہ:

سب سے پہلے لوگ جنت نعیم میں داخل ہوں گے۔ اور اسی چراگاہ میں عظیم دعوت ہوگی؛ جو خالص مشک اور سفید آٹے کی طرح صاف ہے؛ اسی سے دعوت والے

کھائیں گے، یہ اللہ تعالی کا بنی اسرائیل کے ان مومنین سے کہنا ہے جو تورات اور انجیل کو قائم کرتے ہیں: ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (المائدۃ: ٦٦) اگر یہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے ان پر اترا، تو اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی کھاتے۔ ہم امت محمد ﷺ ہر اُس شے کو قائم کرتے ہیں یعنی اِس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے رب کی طرف سے ہم پر نازل ہوا، اور اس میں جس پر عمل کا حکم ہوا اس پر عمل کرتے ہیں۔ جبکہ ہم سے پہلے امتوں میں کچھ لوگ ہماری طرح ایمان لائے، اور کچھ لوگ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا۔ سو ان میں سے جس نے نجات پائی اسے کہا گیا ﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ وہ اپنے اوپر سے کھائیں گے؛ یہ جنت کے درختوں کی وہ شاخیں ہوں گے جو جنت کی دیوار سے باہر آئیں گی، اور اس چراگاہ کو سایہ دیں گے؛ تو اہل سعادت انہیں توڑیں گے ﴿وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ اور اپنے پاؤں کے نیچے سے؛ یہ وہ اس سفید آٹے کی طرح صاف زمین سے کھائیں گے کہ جس پر یہ ہوں گے۔

ارض محشر:

پھر ارضِ محشر میں ترازو رکھے جائیں گے؛ ہر مکلف کے لیے اس سے مخصوص میزان ہو گا۔ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار بنائی جائے گی جسے اعراف کہتے ہیں۔ حق نے یہ اُس کا ٹھکانہ بنایا کہ جس کے دونوں پلڑے برابر ہو گئے؛ اور کوئی ایک بھی دوسرے کو جھکا نہ سکا۔ اور فرشتے کھڑے ہوں گے جن کے ہاتھ میں وہ اعمال نامے ہوں گے جو انہوں نے مکلفین کے اعمال اور اقوال سے دنیا میں لکھے، ان میں ان مکلفین کے قلبی اعتقادات نہ ہوں گے ماسوائے وہ کہ جس کی انہوں نے گواہی دی یعنی بول کر

ادا کیے۔[1] وہ یہ ان کی گردنوں میں ہاتھوں سے باندھ دیں گے۔ سو کوئی اپنا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں پکڑے گا اور کوئی بائیں ہاتھ میں، کوئی اپنی کتاب اپنی پیٹھ پیچھے پکڑے گا؛ یہ وہی لوگ ہیں کہ دنیا میں جنہوں نے کتاب پیٹھ پیچھے پھینک دی اور اس کی تھوڑی سی قیمت لے لی؛ یہ وہ گمراہ ائمہ ہیں جو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔[2]

حوض کوثر:

پھر حوض لایا جائے گا جس سے پانی بہہ رہا ہو گا، اس پر پینے والوں کی تعداد کے مطابق برتن رکھے ہوں گے، نہ کم نہ زیادہ، اس میں دو نالیوں سے پانی آئے گا، ایک سونے کی تو دوسری چاندی کی۔ یہ دیوار کے ساتھ چپکا ہو گا، اور ان دو نالیوں میں پانی جنت کی دیوار سے ہی آئے گا؛ اور مومنین اس سے یہ پانی پیئں گے۔[3]

---

[1] یہاں شیخ یہ بات بتا رہے ہیں کہ فرشتے اعمال ناموں میں وہی کچھ لکھتے ہیں جو کوئی شخص بولتا ہے۔ وہ اس کی نیتوں سے واقف نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ اعتقاد جو وہ اپنے دل میں رکھتا ہے وہ بھی فرشتے نہیں لکھتا جب تک کہ وہ اِسے بول کر ادا نہ کرے۔

[2] جیسا کہ شیخ پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ کتاب اعمال نامہ نہیں بلکہ ان پر اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، جسے انہوں نے تھوڑی سے قیمت لے کر بیچ دیا، یعنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

[3] شیخ اکبر نے احادیث نبویہ کی روشنی میں اِس حوض کی ایک خوبی یہ بھی بتائی ہے کہ جو اس سے ایک بار پانی پیئے گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اسی لیے آپ فرماتے ہیں: اہل جنت حوض سے پانی پی لینے کے بعد جنت میں پیاس سے پانی نہیں پیئں گے بلکہ یہ پینا شہوت اور لذت کے لیے ہو گا۔

نور کے منبر:

پھر نور کے منابر لائیں جائیں گے، جن کی روشنی اور رنگ مختلف ہوں گے؛ یہ اس سرزمین میں رکھ دیئے جائیں گے۔ پھر ایسی جماعت کو لایا جائے گا جو ان پر بیٹھے گی، انوار نے انہیں ڈھانپ رکھا ہو گا کہ کوئی انہیں نہ پہچان پائے گا۔ وہ ابدی رحمت میں ہوں گے اور انہوں نے وہ الٰہی لباس پہن رکھیں ہوں گے کہ جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ پھر ہر انسان کے ساتھ اس کا قرین لایا جائے گا جو شیطانوں اور فرشتوں میں سے ہو گا۔ اس روز خوش بختوں اور بد بختوں کے لیے پرچم کھولے جائیں گے، جو ان کے اماموں نے اٹھا رکھے ہوں گے، وہ امام جو حق یا باطل میں سے کسی جانب انہیں بلاتے رہے۔ ہر امت اپنے رسول کے گرد جمع ہو جائے گی: وہ جو اس پر ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اُس کا انکار کیا۔ اسی طرح افراد اور انبیا کو رسولوں کے برخلاف لوگوں سے ہٹ کر جمع کیا جائے گا۔[1] کیونکہ رسول لشکروں والے ہیں؛ اور ان کے لیے ان سے مخصوص مقام ہے۔

مقام محمود:

اللہ نے اس زمین میں فیصلے اور قضا والے عرش کے سامنے ایک عظیم جگہ معین کی ہے جو جنت میں وسیلے سے لے کر یہاں تک پھیلی ہے، اسے "مقام محمود" کہتے ہیں۔ یہ مقام خاص طور پر محمد ﷺ کے لیے ہے۔ یہاں آسمان کے فرشتے آتے ہیں، ہر

[1] افراد وہ لوگ ہیں جو دائرہ قطب سے باہر ہوتے ہیں ان کا معاملہ براہ راست ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ اکبر کی اصطلاح میں نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس اللہ فرشتہ بھیج کر اُسے شریعت دیتا ہے، لیکن یہ شریعت صرف اُس کی ذات تک محدود ہوتی ہے اسے تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا۔ اسی لیے نبی کا کوئی پیروکار بھی نہیں ہوتا۔ یوں انبیا اور افراد اکیلے جمع کیے جائیں گے۔

آسمان کے فرشتے ایک دوسرے سے الگ اور علیحدہ آتے ہیں؛ اور سات صفیں بناتے ہیں، ہر آسمان کی ایک صف ہوتی ہے۔ جبکہ روح الامین (یعنی حضرت جبرائیل) اس جماعت کے امام ہوتے ہیں، آپ ہی رسولوں تک شریعت لے کر آئے، پھر آسمانی کتابیں اور صحیفے لائے جائیں گے، اور ہر وہ جماعت جن پر یہ کتاب اتری اپنی کتاب کے پیچھے کھڑی ہو گی۔ یوں یہ امتیں اصحابِ فترات اور اُس شخص سے علیحدہ ہو جائیں گی جس نے اُس کتاب سے عبادت کی جو اُس پر نہ اُتری؛ کہ وہ اس پر بھی ایمان لایا اور اپنی ناموس کو چھوڑ دیا کیونکہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔...

عرش الہی:

پھر اللہ عزوجل اپنے عرش پر آئے گا، اور اس عرش کو آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہو گا؛ وہ اسے اس زمین میں رکھیں گے۔ جنت عرش کے دائیں جانب ہو گی اور دوزخ بائیں جانب۔ ہیبت الٰہی اس قدر عظیم ہو گی اور اہل محشر کہ جن میں انسان، فرشتے، جن اور جانور شامل ہیں ان سب پر ایسی چھائی ہو گی کہ وہ سب سرگوشی سے بات کریں گے؛ یعنی آنکھ کے اشارے اور نہایت نیچی آواز میں۔ پھر اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان سے پردے اٹھا دیئے جائیں گے؛ یہی معاملے کا کھلنا ہے، اور حق کا ایک داعی انہیں اللہ کے حکم سے اللہ کو سجدہ کرنے کا کہے گا۔ سو جس کسی نے بھی خالصتا اللہ کو سجدہ کیا ہو گا، چاہے وہ کسی دین اور مذہب پر ہو، تو وہ یہاں سجدہ کر سکے گا، اور جس نے اپنی جان خلاصی کے لیے دکھلاوے کے سجدے کیے ہوں گے وہ پیٹھ کے بل گر پڑے گا۔ اور اسی سجدے سے اصحابِ اعراف کا نیکی والا پلڑا جھک جائے گا؛ کیونکہ یہ

سجدۂ تکلیف ہے، یوں وہ بھی خوش بخت ہو کر جنت میں جائیں گے۔[1]

پھر حق تعالی اپنے بندوں کے آپس کے معاملات میں فیصلے شروع کرے گا۔ جہاں تک ان کا اور اللہ کا معاملہ ہے تو کرم الٰہی سے وہ اسے معاف کر دے گا؛ پس اللہ اپنے بندوں میں صرف اسی کی پکڑ کرے گا جس کا تعلق حقوق العباد سے ہو گا۔ اس روز کے بارے میں انبیا علیہم السلام نے اس قدر بتایا ہے اور رسولوں کی زبانوں پر اتنا کچھ آیا ہے، لوگوں نے اس حوالے سے کتابوں کی کتابیں لکھی ہیں، سو جو ان امور کی تفصیل جاننا چاہتا ہے تو وہاں دیکھے۔

پہلی شفاعت:

پھر سب سے پہلے محمد ﷺ شفاعت کرنے والوں کے حق میں شفاعت کریں گے کہ انہیں شفاعت کی اجازت ملے۔ اور یوں شفاعت کرنے والے شفاعت کریں گے، اور اللہ ان کی شفاعت میں سے کچھ اپنی مشیت کے مطابق قبول کرے گا اور کچھ اپنی مشیت کے مطابق رد کر دے گا؛ کیونکہ اس روز اللہ تعالی شفاعت کرنے والوں کے دلوں کو رحمت سے بھر دے گا۔ سو اللہ جن شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کو رد کرے گا تو اُس کا مقصد اُن کی قدر میں کمی، اور شفاعت پانے والوں کو رحمت سے محروم کرنا نہ ہو گا؛ بلکہ وہ ایسا اِس لیے کرے گا تاکہ اپنے بعض بندوں پر وہ احسان الٰہی کا اظہار کرے؛ یوں اللہ خود انہیں سعادت سے ہمکنار اور شقاوت سے دور کرے گا۔ ان میں سے ایک کے ساتھ یہ کیا جائے گا کہ اسے دوزخ سے نکال کر جنت میں لایا جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اسم ارحم الرحمین اسم المنتقم الجبار کے سامنے اس کی شفاعت

---

[1] چونکہ اعراف والوں کی نیکیاں اور گناہ برابر تھے اسی لیے وہ مقام اعراف میں تھے تو اس زائد نیکی سے ان کی نیکیاں بڑھ جائیں گے اور وہ جنت میں جانے کے مستحق ٹھہریں گے۔

کرے گا؛ یہ اسمائے الٰہیہ کے مراتب ہیں، محقق شفاعت نہیں [1]۔ کہ اللہ نے اس روز کے بارے میں کہا ہے: "فرشتوں، نبیوں اور مومنین نے شفاعت کر لی، اب صرف ارحم الراحمین ہی بچا ہے۔" اس سے پتا چلا کہ اس نے ابھی تک شفاعت نہ کی۔ پس وہ اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہے گا دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جائے گا۔...

رب کی رضا کی صورت:

اللہ جہنم کو اپنے مخلوط غضب اور حکم سے، جبکہ جنت کو اپنی رضا سے بھر دے گا؛ رحمت عمومی ہو گی اور نعمت پھیلی ہو گی؛ وہاں مخلوق ویسے ہی ہو گی جیسا کہ دنیا میں حق کی صورت پر ہے؛ یہ اس کے تبدیل ہونے سے تبدیل ہوں گے۔ اور وہ آخری صورت کہ جس میں وہ اپنے بندوں میں حکم کے لحاظ سے تبدیل ہو گا وہ رضا کی صورت ہو گی، پھر حق نعیم کی صورت میں تبدیل ہو گا۔ کیونکہ الرحیم اور المعافی سب سے پہلے تو خود پر رحم، درگزر اور انعام کرتا ہے کہ اس غضب اور حرج کو ختم کرتا ہے کہ جس نے اسے غضب ناک کیا، پھر اس کے بعد یہ سب مغضوب علیہ پر ہوتا ہے۔ جو یہ سمجھ گیا تو وہ امن میں آیا اور جو نہ سمجھا تو عنقریب وہ جان بھی لے گا اور سمجھ بھی جائے گا؛ کیونکہ مآل اسی پر ہے۔ [2]

---

[1] مراد یہ ہے کہ یہ عمل اسمائے الٰہیہ کے مراتب میں سے ہے، اسے شفاعت نہیں کہنا چاہیے کہ ایک اسم دوسرے اسم سے سفارش کرے گا۔ بلکہ یہ ان کے مراتب اور نسبتوں کے تقاضوں کے مطابق ہو گا۔

[2] یہاں شیخ اکبر نے یہی بتایا ہے کہ مخلوق کا مآل اور انجام رحمت پر ہے کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب سے پہلے ہے اور ایک وقت ایسا لازماً آئے گا کہ اس کا غضب ختم ہو جائے گا اس کے بعد رحمت کا ہی دور دورہ ہو گا۔

اللہ کا اسم الظاہر اور اسم الباطن:

اللہ جس طرح سے خود کو جانتا ہے، جس طرح سے وہ اپنی ھویت اور غنا میں ہے، تو وہ ویسا ہی ہے کہ جیسا ہے۔ ان اخبار میں جس طرح سے آیا، یا کشف نے جس طرح بتایا؛ یہ تو ظاہر ہوتے احوال، متشخص مقامات اور متجسّد معانی ہیں؛ تاکہ حق اپنے بندوں کو اسم الٰہی "الظاہر" کا مطلب سمجھائے؛ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس سب میں ظاہر ہوا۔ اور اس کا "اسم الباطن" جو کہ اس کی ھویت ہے؛ اس نے ہمارے لیے خود کو ان دونوں اسما سے موسوم کیا۔ پس عالم میں ہر تصریف، انقلاب، اور صورتوں کی تبدیلی: چاہے حق میں ہو یا خلق میں؛ تو یہ اسم الظاہر کے حکم سے ہے، اور یہی مخلوق اور اللہ والے علما کے علم کی انتہا ہے۔ جہاں تک اسم الباطن کا تعلق ہے، تو یہ اس کے لیے ہے، ہمارے لیے نہیں۔ اس بارے میں ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوری: ۱۱) اُس جیسی کوئی شے نہیں، اور اس کے بھی چند احتمالات، ہاں اوصاف تنزیہ کا تعلق اسم الباطن سے ہے، اگرچہ اس میں بھی تحدید ہے، لیکن امکان میں اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا؛ کہ یہی ہماری انتہا درجے کی وہ فہم ہے جو ہمیں ہماری استعدادوں نے دی۔[1]

پل صراط اور جہنم:

جہاں تک اس متعال کا یہ کہنا ہے: :﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾(مریم: ۷۱)

---

[1] یعنی ہم جو ظاہری تصریفات، صورتوں میں تبدیلی اور انقلاب دیکھتے ہیں تو یہ اس کے اسم الظاہر کی وجہ سے ہے۔ جہاں تک اس کے اس الباطن کا تعلق ہے تو ہم اس سے واقف نہیں۔ اور جو باطن کی تھوڑی بہت سمجھ ہمیں ملی ہے وہ بھی تحدید کی طرف جاتی اور تنزیہ میں عیب لگاتی ہے، یہ سب اس لیے کہ ممکن اس سے زیادہ بات نہیں سمجھ سکتا۔

اور تم میں سے ہر کوئی اِس پر سے گزرے گا، تو اس لیے کہ جنت کا راستہ اسی پر ہے؛ لہذا اِس سے گزرنا لازم ہے۔ جب ارض محشر میں اہل جنت میں سے کوئی باقی نہ بچے گا، تو وہ علاقہ بھی دوزخ میں شامل کر دیا جائے گا، اس میں شدید ٹھنڈ بھی ہو گی۔ جہنم فلک کواکب کی اونچائی سے لے کر اسفل السافلین کی گہرائی تک ہے۔

اس باب کی چھٹی فصل سے اقتباس

جہنم کے ابواب منازل اور درکات:

یہ جان کہ جہنم زمین و آسمان اور اس سب پر سے مشتمل ہے جو زمین و آسمان میں ہے، جب وہ جڑے ہوئے تھے، سو یہ اپنی جوڑ والی صفت کی جانب لوٹے۔ اس میں سارے سیارے اہل دوزخ پر گرمی اور ٹھنڈ سے طلوع اور غروب ہوں گے: اپنے جرائم کی سزا پانے کے بعد یہ ٹھنڈ والوں کو گرمی اور گرمی والوں کو ٹھنڈ سے راحت اور لذت پہنچائیں گے، ان کی نعیم بس یہی ہو گی، اور ہمیشہ ان کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔ اسی طرح مواخذے کی مدت ختم ہونے کے بعد اُن کا کھانا اور پینا یوں ہو گا کہ وہ درخت زقوم سے کھائیں گے۔ ہر انسان گرمی یا ٹھنڈ ہی دور کرے گا۔ جیسے شدید پیاسا جب ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو اس سے پیاس کی گرمی دور بھگاتا ہے، اور اس کا الٹ بھی اسی طرح۔

جہنم کے دروازے:

جہنم کے سات دروازے ہیں؛ یہ مکلف اعضا کے حساب سے ہیں؛ وہاں قلب کا دروازہ مہر بند ہے، یہ کبھی نہیں کھلتا کہ اللہ نے اسے مُہر بند کیا، کیونکہ اِس شخص نے اللہ

کو اپنا رب اور خود کو اس کا بندہ مانا۔ پس آگ دلوں تک رسائی تو پائے گی لیکن ان میں اندر نہیں جائے گی؛ کیونکہ یہ دروازہ بند ہے؛ یہ اُسی جنت کی مانند ہے جو ناپسندیدگی میں گھری ہے۔ اللہ نے جہنم کے سات دروازوں کا ہی بتایا کہ جن و انس ان میں داخل ہوں گے۔ جہاں تک اس بند دروازے کی بات ہے کہ جس میں کوئی داخل نہ ہو گا، تو وہ دروازہ اِس دیوار میں ہے ﴿بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ﴾(الحدید: ۱۳) کہ جس کے اندر رحمت ہے؛ کہ اس نے اللہ کے وجود اور ربوبیت اور اپنے رب کے لیے اپنی عبودیت کا اقرار کیا۔ ﴿وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾(الحدید: ۱۳) اور اِس دروازے کا باہر والا حصہ عذاب میں ہو گا؛ یہ وہی آگ ہے ﴿الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ﴾ (الھمزۃ: ۷) جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔

جہنم کی منازل اور درکات:

جہاں تک اس کی منازل، درکات اور روشن دانوں کا تعلق ہے، تو یہ جنت کے برابر ہی ہیں نہ اس سے زیادہ ہیں نہ کم۔ دوزخ میں میراث کی دوزخ نہیں، اور نہ ہی اختصاص کی دوزخ ہے؛ وہاں صرف اعمال کی دوزخ ہے۔ کوئی وہاں اپنے نفس اور اپنے عمل -جو اس کا قرین ہے- سے داخل ہو گا۔ اور جو اہل جنت میں سے ہو تو دنیا میں اس کا عمل اسی صورت میں اسی جگہ دوزخ میں ہو گا، کہ اگر یہ عمل کرنے والا دوزخی ہوتا تو یہاں ہوتا؛ کیونکہ اس عمل کا وجود اسی جگہ سے تھا؛ یہ ہر وہ عمل ہے جو فعل اور ترک فعل والے عمل تکلیف کے برخلاف تھا؛ لہذا یہ اپنے وطن کو لوٹ آیا، جیسا کہ موت کے بعد جسم اس زمین میں لوٹ جاتا ہے جہاں سے اس کی تخلیق ہوئی۔ ہر شے اپنی اصل کی جانب لوٹتی ہے، چاہے اس میں دیر لگے؛ کیونکہ سانسیں گنی چنی ہیں، اور وقت مقرر ہے، جب کتاب اپنی مقرر مدت تک پہنچتی ہے تو ہر امید وار اپنی امید کو دیکھتا

ہے۔ ہم تو اسی سے اور اسی کے لیے ہیں؛ ہم خود سے باہر کب گئے، اور ہم نے اپنے سوا کیا پایا۔

پھر تمام وحشی جانوروں کو جہنم میں جمع کیا جائے گا، یہ ان پر اللہ کا انعام ہو گا، سوائے ہرنوں کے یا وہ جانور جو اللہ کی راہ میں استعمال ہوئے؛ کہ وہ جنت میں اس صورت پر ہوں گے جس کا وہ ٹھکانہ متقاضی ہے۔ اسی طرح ہر وہ حیوان کہ جن کا گوشت اہل جنت نے دنیا میں کھایا ہو گا۔

موت کا ذبح ہونا:

جب جہنم میں صرف اہل جہنم بچیں گے اور وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے، تو موت کو ایک خوبصورت مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، اسے جنت اور دوزخ کی درمیان کھڑا کیا جائے گا: کہ اہل جنت اور اہل دوزخ اسے دیکھیں گے، ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم اِسے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے۔ پھر روح الامین اسے لٹائیں گے، اور یحیی عَلَیْہِ السَّلَام ہاتھ میں چھری لیے آئیں گے اور اسے ذبح کریں گے۔ پھر ایک فرشتہ جنتیوں اور دوزخیوں سے کہے گا: اب ہمیشہ کی زندگی ہے کوئی موت نہیں۔ اس وقت اہل دوزخ دوزخ سے نکلنے میں ناامید ہو جائیں گے، اور اہل جنت کے دلوں میں سے بھی یہ امکان ختم ہو جائے گا کہ انہیں یہاں سے نکالا جائے گا، دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، اور یہی جنت کے دروازوں کا کھلنا ہو گا؛ یہ دروازہ ایسی شکل کا ہو گا کہ اگر ایک طرف سے کھلے گا تو دوسرے طرف سے بند ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا ایک کے لیے بند ہونا دوسرے کے لیے کھلنا ہو گا۔ جہاں تک اس کے سات دروازوں کے نام ہیں تو وہ: باب جہنم، باب جحیم، باب سعیر، باب سقر، باب لظی، باب حطمہ، باب سجین اور باب حجاب ہے جو کبھی نہیں کھلتا۔

اس باب کی ساتویں فصل سے اقتباس

اللہ نے جنت کو تخلیق کیا، اور اس منزل کو جو روز قیامت دوزخ ہو گی۔ پس دوزخ میں سے جو تخلیق کیا وہ تخلیق کیا اور جو اس میں ابھی باقی ہے وہ بالقوہ باقی ہے، اور اللہ نے یہ اس طبیعی وجود میں استحالات کی شکل میں بنایا۔ پس آج ہم جسے دارِ دنیا کہتے ہیں، کل قیامت کے روز یہ دارِ جہنم ہو گا، اور یہ اللہ کے علم میں ہے۔ ہم نے اس کی ایک مثالی صورت اس باب کی ابتدا میں بنائی ہے۔

اس باب کی آٹھویں فصل سے اقتباس

کثیب جنت:

یہ جان کہ کثیب جنت عدن میں سفید مسک ہے۔ اور جنت عدن جنت کا قلعہ اور بادشاہ کا محل ہے؛ وہاں عام عوام صرف زیارت کے لیے ہی جائے گی۔ ان ٹیلوں میں اس نے منابر، تخت، کرسی اور مراتب بنائے ہیں؛ کیونکہ اہل کثیب چار گروہ ہیں: مومنین، اولیا، انبیا اور رسول۔ اور ہر صنف کے اشخاص میں فضیلت ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (البقرة: ۲۵۳) ہم نے ان رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت بخشی۔ اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (الإسراء: ۵۵) اور ہم نے بعض انبیا کو بعض پر فضیلت دی۔ پس ان کی منازل بھی ان کی فضیلت کے حساب سے ہیں، اگرچہ جنت میں تو سب موجود ہیں۔ اسی حوالے سے وہ فرماتا ہے: ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (الأنعام: ۱۶۵) اس نے تم میں سے بعض کے دیگر بعض پر درجات بنائے ہیں؛ یعنی مخلوق میں۔ اس قول میں تمام



بنی آدم شامل ہیں چاہے دنیا ہو یا آخرت۔

کثیب میں مقامات:

جب لوگ جنت میں اپنے گھروں کو پالیں گے؛ تو حق انہیں اپنے دیدار کے لیے بلائے گا؛ وہ یہاں اپنے رب کی طاعت کے حساب سے وہاں اپنے رب کی طرف آنے میں جلدی کریں گے۔ کوئی آہستہ آہستہ چلے گا تو کوئی تیز، اور تیسرا ان کے درمیان، یہ سب کثیب میں جمع ہوں گے۔ ہر شخص بدیہی طور پر اپنا مقام و مرتبہ جانے گا، اور اسی کی طرف چلا جائے گا؛ جیسے بچہ ماں کی چھاتیوں کی طرف جاتا ہے اور لوہا مقناطیس کی طرف کھچتا ہے۔ اگر وہ یہ چاہے کہ کسی دوسرے کے مقام پر جائے تو ایسا نہ کر پائے گا، اگر وہ کسی دوسرے کے مقام کو اچھا جانے تو ایسا بھی نہیں کر پائے گا؛ بلکہ جس مقام پر ہو گا وہاں اسے پتا چلے گا کہ اس نے اپنی امید اور قصد کی انتہا کو پالیا۔ وہ اسی نعمت سے طبیعی ذاتی لذت پائے گا کہ جس میں وہ ہو گا، یہ نفسی لذت نہیں ہو گی، اس کے پاس جو نعمت ہو گی وہ اس کے حق میں بہتر ہو گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنت بھی ادھوری خواہشات اور تکلیف کا گھر ہوتی، پھر یہ جنت اور دار نعمت نہ ہوتی۔ ہاں اعلی کے لیے وہ نعمت بھی ہو گی کہ جس میں وہ ہو گا، اور اُس کے پاس ادنی کی نعمت بھی ہو گی، اور جو لوگوں میں سب سے ادنی ہو گا۔ کہ جس سے ادنی کوئی نہیں۔ تو اُس کے پاس صرف اُس کی اپنی نعمت ہی ہو گی، اور جو اِن سب سے اعلی ہو گا، اُس کے پاس سب کی نعمتیں ہو گیں۔ ہر شخص اپنی نعمتوں میں ہی محدود ہو گا، یہ کیا عجیب حکم ہے۔

پس پہلی رویت میں اہل جہنم پر حجاب، تنگی اور عذاب مزید گہرا ہو جائے گا، کہ ان پر اس سے سخت کوئی عذاب نہ ہو گا۔ کیونکہ پہلی رویت عذاب کی مدت پوری ہونے

سے پہلے ہو گی جب عمومی رحمت نے انہیں نہ گھیرا[1]؛ یہ اس لیے کہ وہ حجاب کے عذاب کو ذوق سے جانیں۔ پھر دوسری رویت، اور اس کے بعد جتنی مرتبہ بھی دیدار ہو گا، رحمت انہیں بھی ملے گی۔ اور اہل جہنم جہنم کے دروازوں کے روشن دانوں سے اس قدر دیدار کریں گے کہ جتنے انہوں نے دنیا میں اچھے اخلاق اپنائے۔

کثیب میں دیدار الٰہی:

جب لوگ دیدار کے لیے کثیب میں آئیں گے، اور حق تعالی اعتقادات کی صورت میں عمومی تجلی فرمائے گا، تو یہ ایک تجلی، تجلی میں تو واحد ہو گی لیکن صورتوں کے اختلاف میں ایک سے زائد ہو گی۔ سو جب وہ اسے دیکھیں گے تو سب کے سب اس تجلی کے نور میں رنگے جائیں گے، ان میں سے ہر ایک اس صورت کے نور سے ظاہر ہو گا جو اس نے دیکھی۔ سو جس نے اسے ہر اعتقاد میں جانا اس کے لیے ہر اعتقاد کا نور ہے، اور جس نے اسے کسی خاص معین اعتقاد میں جانا تو اس کے لیے صرف اسی ایک اعتقاد کا نور ہو گا، اور جس نے وجود کا اعتقاد رکھا، جس میں تنزیہ اور تشبیہ والا کوئی حکم نہ ملایا؛ بلکہ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہے؛ اس نے نہ اس کو تشبیہ دی اور نہ منزہ کیا، اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا اس پر اسی کے علم کے مطابق ایمان رکھا تو اس کے لیے اختصاص کا نور ہو گا، یہ اسی وقت پتا چلے گا؛ کہ یہ اللہ کے علم میں ہے۔ اب یہ پتا نہیں کہ یہ اس سے اعلی ہے جس نے علم سے تمام اعتقادات کو جمع کیا، یا اس کے

[1] یہاں شیخ یہ بتا رہے ہیں کہ جب اہل جنت کو پہلا دیدار الٰہی نصیب ہو گا تو اس وقت اہل دوزخ عذاب میں گرفتار ہوں گے، اور اس مدت میں وہ اس کے غضب کا شکار ہوں گے، رحمت نے انہیں ابھی اپنی لپیٹ میں نہ لیا ہو گا چنانچہ اس پہلے دیدار میں ان کا کوئی نصیب نہیں۔

برابر ہے؟ جہاں تک اس سے نیچے کی بات ہے، تو ایسا نہیں۔[1]

پھر جب اللہ چاہے گا کہ انہیں دیدار کے اس مشاہدے سے واپس جنتوں میں بھیجے تو وہ فرشتوں یعنی کثیب کے نگرانوں سے کہے گا: انہیں ان کے محلات میں لوٹا دو۔ پس وہ اس صورت میں لوٹیں گے جو انہوں نے دیکھی، وہاں وہ اپنی گھروں اور گھر والوں کو بھی اسی صورت میں رنگا دیکھیں گے؛ تو اس سے لذت پائیں گے؛ کہ وقت مشاہدہ وہ اس سے فنا کی حالت میں تھے؛ لہذا دیدار کے وقت انہیں لذت محسوس نہ ہوئی؛ بلکہ پہلی تجلی کے وقت لذت کی قوت نے ان پر حکم لگایا، تو لذت اور خود ان سے بے خود کر دیا۔ پس وہ بے خودی کی اس حالت میں بھی لذت میں ہوں گے کہ اس کی قوت بڑی عظیم ہے۔ پھر جب وہ اپنے گھروں اور گھر والوں میں یہ صورت دیکھیں

---

[1] یہاں شیخ اکبر تین قسم کے لوگوں کا بتا رہے ہیں:

۱- وہ جس نے حق کو ہر اعتقاد میں جانا، اُس کے لیے ہر اعتقاد کا نور ہے۔

۲- وہ جس نے حق کو ایک خاص معین اعتقاد میں جانا تو اُس کے لیے صرف اِسی ایک اعتقاد کا نور ہو گا۔

۳- وہ جس نے وجود کا اعتقاد رکھا، اس میں تنزیہ اور تشبیہ والا کوئی حکم نہ ملایا؛ بلکہ اس کا اعتقاد یہی تھا کہ وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ در حقیقت ہے؛ اُس نے نہ اس کو تشبیہ دی اور نہ منزہ کیا، اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا اس پر اسی کے علم کے مطابق ایمان رکھا تو اس کے لیے اختصاص کا نور ہو گا۔

ان تینوں میں پہلا اور تیسرا اس کے حوالے سے شیخ بتا رہے ہیں کہ اب یہ نہیں پتا کہ ان میں سے کون سب سے بڑھ کر ہے۔ آیا پہلا سب سے اعلی ہے یا تیسرا۔ لیکن تیسرا اگر اعلی نہیں تو پہلے سے کم درجہ بھی نہیں، یہ اس کے برابر ہے۔ دوسرے اعتقاد والا اِن میں سب سے کم درجہ ہے۔

گے؛ تو یہ لذت بر قرار رہے گی، اور وہ اِس مشاہدے سے لذت اٹھائیں گے۔ یعنی اس جگہ بھی وہی لذت پائیں گے جو انہیں کثیب میں میسر آئی، اس تجلی اور اس رویت میں وہ اپنے علم باللہ میں اضافہ پائیں گے؛ یہ انہیں دیکھنے سے حاصل ہوا، جو پہلے انہیں حاصل نہ تھا۔ کہ جب معلوم کا مشاہدہ ہو تو مشاہدہ وہ اضافی علم دیتا ہے جو مشاہدے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ کہا گیا ہے:

بیشک دیکھنے میں بھی ایک لطیف معنی ہے اسی لیے تو بولنے والے (الکلیم) نے دیدار کا سوال کیا۔

اس ذوق سے ہر وہ شخص واقف ہے جو اس حال میں لایا گیا، وہ خود سے اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے قیامت سے متعلق خواب

اپنی اس کتاب کا اختتام ہم شیخ اکبر کے چند ان خوابوں پر کرتے ہیں جو آپ نے قیامت کے حوالے سے دیکھے اور انہیں قلم بند کیا۔ یہ خواب آپ کی کتاب المبشرات کے مخطوط یوسف آغا ۷۸۳۸ میں شیخ صدر الدین قونوی کے ہاتھ سے درج ہیں۔

کیا روزِ قیامت جانوروں کو جمع کیا جائے گا؟

مخطوط یوسف آغا ۷۸۳۸ میں شیخ صدر الدین قونوی اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں: مجھے میرے شیخ (محیی الدین ابن العربی) نے بتایا، اور میں نے آپ کے ہاتھوں وہ تحریر بھی دیکھی جو آپ نے اس خواب کے بعد لکھی، اور مجھے پڑھ کر سنائی۔ آپ نے ذی القعدۃ سن ۶۲۴ ہجری میں شبِ جمعہ کو نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ یہ دیکھا کہ شیخ اور نبی ﷺ ایک ایسے گھر میں ہیں جہاں نہر جاری ہے۔ جب آپ نے نماز سے سلام پھیرا تو نبی ﷺ نے اپنا منہ شیخ اکبر کی جانب کیا۔ اور شیخ اکبر بتاتے ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کو اُس مذکورہ صورت پر دیکھا جو ثقہ اصحاب کی درست اور صحیح روایات میں آئی ہے کہ جیسے آپ ﷺ اپنی دنیاوی زندگی میں تھے۔ لیکن شیخ اکبر کو آپ کی داڑھی مبارک میں وہ سفید بال نظر نہ آئے جو روایت میں بیان کیے گئے۔ آپ ﷺ حج یا عمرہ کر کے آئے تھے کہ آپ کا سر مبارک منڈا ہوا تھا اور آپ کے سر پر اون کا سفید عمامہ تھا۔ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہ ! کیا روز قیامت جانوروں کو بھی جمع کیا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: روز قیامت

جانوروں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ میں نے کہا: یہ یقینی بات ہے اور اس میں کوئی تاویل نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ یقینی بات ہے اور اِس میں کوئی تاویل نہیں۔ پھر اسی وقت میرے دل میں اُس حدیث کا خیال آیا جو ہم نے امام ترمذی سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: بغیر سینگھ والی بکری کا سینگھ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ آپ ﷺ میرے دل کی بات جان گئے۔ میری طرف دیکھا اور بولے: اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ روز قیامت قوی اور ضعیف سے پورا پورا بدلہ لیا جائے گا، یہاں مراد جانور نہیں۔ میں نے آپ سے کہا: تو کیا مخلوق میں صرف جن و انس ہی مقصود ہیں؟ آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر بولے: بیشک مخلوق میں صرف جن و انس ہی مقصود ہیں۔ پھر میرے دل میں یہ آیت آئی کہ اللہ کی قسم میں تم سے جہنم کو بھر دوں گا...

قیامت کا قائم ہونا:

شیخ اکبر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: میں دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گئی اور لوگ تیز تیز چل رہے ہیں، کچھ ننگے ہیں کچھ نے کپڑے پہن رکھے ہیں، کچھ ٹانگوں پر چل رہے ہیں تو کچھ منہ کے بل چل رہے ہیں۔ پھر حق تعالی اور فرشتے بادل کے سایے میں آئے، وہ اپنے عرش پر جلوہ افروز ہے، عرش اٹھانے والوں نے عرش اٹھا رکھا ہے۔ انہوں نے یہ عرش میری آنکھوں کے سامنے کیا کہ اِس کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ میں یہ سب دیکھ کر نہ خوف زدہ ہوا اور نہ گھبرایا۔ پھر حق نے مجھے اپنی رحمت سے گھیر لیا تا کہ مجھے بتائے کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے، پس میں وارد صحیح حدیث سے جان گیا کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے۔ میں نے کہا: یاربّ! بادشاہ اپنے خُدّام کا حساب کتاب اِس لیے کرتے ہیں کہ خود اِس شے کی فقر و حاجت رکھتے ہیں لہذا ان سے لے کر اپنے خزانے بھرتے ہیں، جبکہ آپ تو غنی ہیں۔ سو مجھے بتائیے کہ مخلوق کے حساب سے آپ کے

خزانے میں کیا آنا ہے؟ پس حق تعالیٰ مسکرایا اور مجھے کہا: ہمیں کچھ نہیں چاہیے: میں کہنے لگا: پھر مجھے جنت میں جانے دیں۔ سو حق نے مجھے اجازت دے دی۔ تو میں نے اپنی بہن ام سعد کو دیکھا: تو بولا: اور میری بہن کو بھی جانے دیجئے۔ حق نے کہا: اسے بھی ساتھ لے جا۔ پھر میں نے اپنی دوسری بہن اُمّ العلا کو دیکھا تو بولا: اس کو بھی جانے دیں۔ حق نے کہا: اسے بھی لے جا۔ میں نے کہا: میری بیوی اُم عبد الرحمن۔ حق نے کہا ہاں تیری بیوی ام عبد الرحمن۔ میں نے کہا: اور خاتون اُم جوبان۔ فرمایا: ہاں خاتون اُم جوبان۔ میں نے کہا: یہ تو طویل ہو جائے گا، لہذا میرے سارے جاننے والوں، ساتھیوں، قرابت داروں اور ان سب کو جن کو میں لے کر جانا چاہوں۔ حق نے فرمایا: اگر تو تمام اہل محشر کا بھی سوال کرتا تو میں انہیں تیرے ساتھ جانے دیتا۔ مجھے فرشتوں اور انبیا کی شفاعت کا خیال آیا تو میں نے ادب کا اظہار کیا۔ اور اہل محشر میں سے ان سب کو اپنے ساتھ لیا جہاں تک میری نظر گئی، اور اس کی اصل تعداد صرف اللہ ہی جانتا ہے، ان میں وہ سب شامل ہیں جنہیں میں جانتا ہوں اور جنہیں نہیں جانتا، میں انہیں اپنے آگے لے کر چل رہا ہوں اور خود ان کے پیچھے ہوں، کہ کہیں یہ راستہ نہ بھول جائیں۔ یہاں تک کہ ہم جنت میں جا پہنچے اور جہاں جہاں تک میری نظر تھی وہ سب جنت میں تھے، پھر میں جاگ گیا۔

امر بالمعروف پر اکسانا

شیخ اکبر فرماتے ہیں: میں نے حرم مکی میں خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے، اور میں اپنے رب کے سامنے اپنی کوتاہیوں کے سبب منہ نیچے کیے اُس کے عتاب سے خائف کھڑا ہوں۔ پھر حق جل جلالہ مجھے کہتا ہے: اے بندے! مت ڈر، میں تجھ سے صرف یہی چاہتا ہوں کہ تو میرے بندوں کو نصیحت کر، لہذا میرے بندوں

کو نصیحت کر۔ میں لوگوں کو سیدھے راستے کا بتانے لگا، جب میں نے دیکھا کہ شاذ و نادر ہی کوئی اس جانب آ رہا ہے تو میں بھی سست پڑ گیا، اور اُسی رات یہ عزم کیا کہ اب میں بس اپنی فکر کروں گا، اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دوں گا۔ پھر اُسی رات میں نے یہ خواب دیکھا، اور صبح پھر سے لوگوں یعنی فقہا، فقرا، صوفیا اور عوام کو یہ روشن راستہ اور اور اس سے ہٹانے والی آفات دکھانے کے لیے بیٹھ گیا، یہ سارے مجھے مارنے کے لیے میری طرف آئے، پس اللہ نے ان پر میری مدد کی اور محفوظ رکھا، یہ اس کا فضل اور رحمت ہی ہے۔ آپ عَلَیہِ السَّلام کا فرمانا ہے: دین نصیحت ہے، اللہ کو، اس کے رسول کو اور مسلمانوں کے قائدین اور عوام کو، یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

حفظِ قرآن کی فضیلت

میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے، اور لوگ دھکم پیل کر رہے ہیں، پھر میں نے علیین میں قرآن پڑھنے کی آوازیں سنی۔ میں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں جو اس وقت بھی قرآن پڑھ رہے ہیں، اور انہیں کوئی خوف نہیں۔ مجھے بتایا گیا: یہ قرآن کے حفاظ ہیں۔ میں نے کہا: میں بھی حافظ ہوں، پس میرے لیے ایک سیڑھی لائی گئی، اور میں بھی اس پر چڑھ کر علیین کے ایک کمرے میں پہنچ گیا، وہاں بڑے چھوٹے اللہ کے رسول ابراہیم الخلیل عَلَیہِ السَّلام کے سامنے قرآن پڑھ رہے تھے، میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا، اور بے خوف ہو کر قرآن پڑھنے لگا، کہ نہ مجھے کوئی خوف تھا، نہ گھبراہٹ اور نہ حساب کا ڈر، مجھے یہ علم بھی نہ تھا کہ (باہر) لوگ حشر میں کس کرب میں ہیں۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے: "اہل قرآن اہل اللہ اور اس کے خاص ہیں۔" اور اللہ تعالی کا فرمانا: ﴿وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ﴾ (السبا: ۳۷) وہ کمروں میں بے خوف ہوں

گے۔

فتنہ قبر

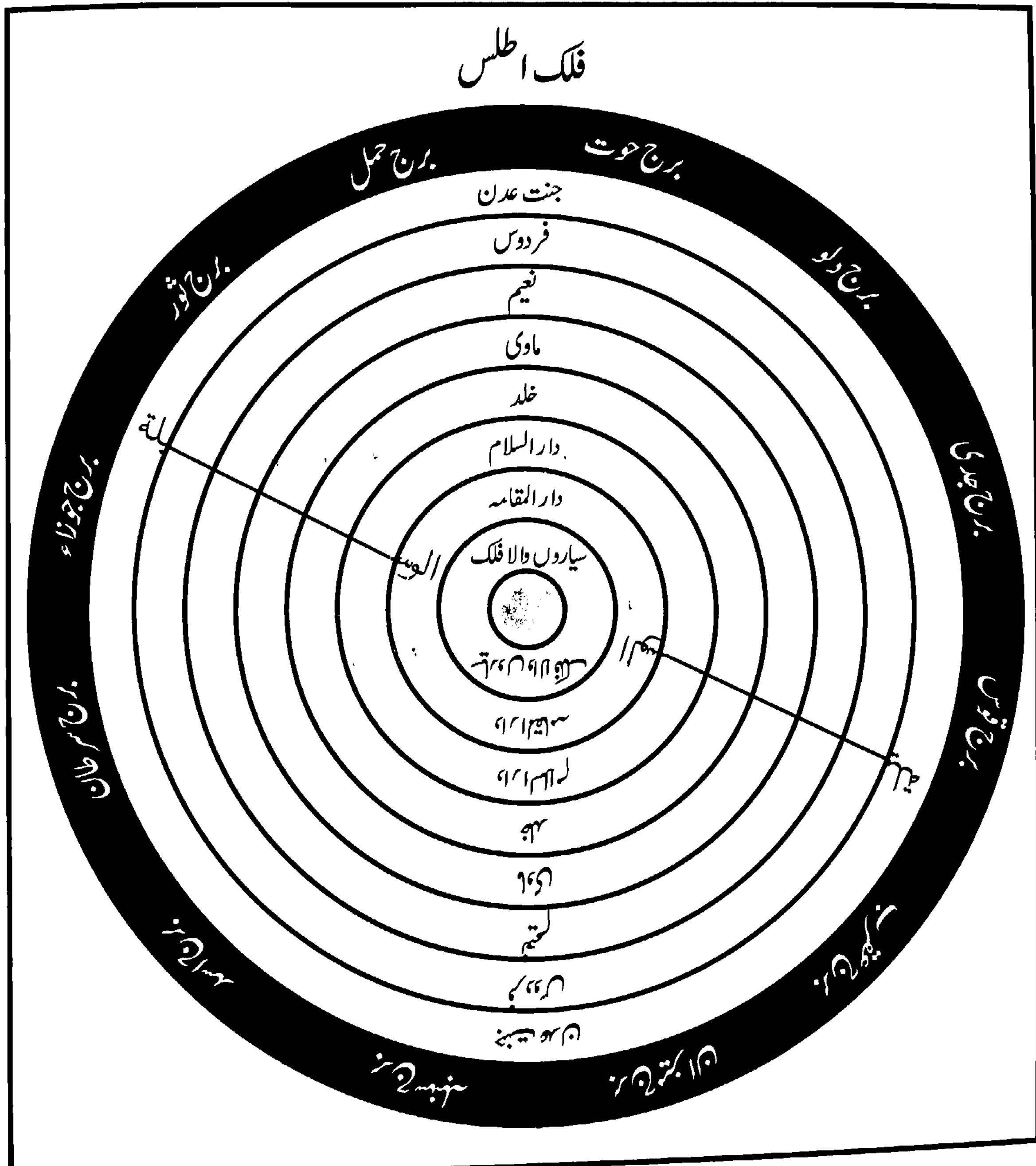
میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ فرما رہے تھے: بیشک تم اپنی قبروں میں دجال کے فتنے جتنا یا اس سے قریب قریب آزمائے جاؤ گے، پھر آپ نے قبلے کی جانب منہ کیا، اپنی چادر یا لباس کو لپیٹا، جائے نماز بچھائی، اور اس پر دو رکعت نماز پڑھی، میں آپ کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا اور دوسری رکعت میں آپ سے جا ملا۔

فتوحات مکیہ باب نمبر ۳۷۱

میں سے چند خاکے

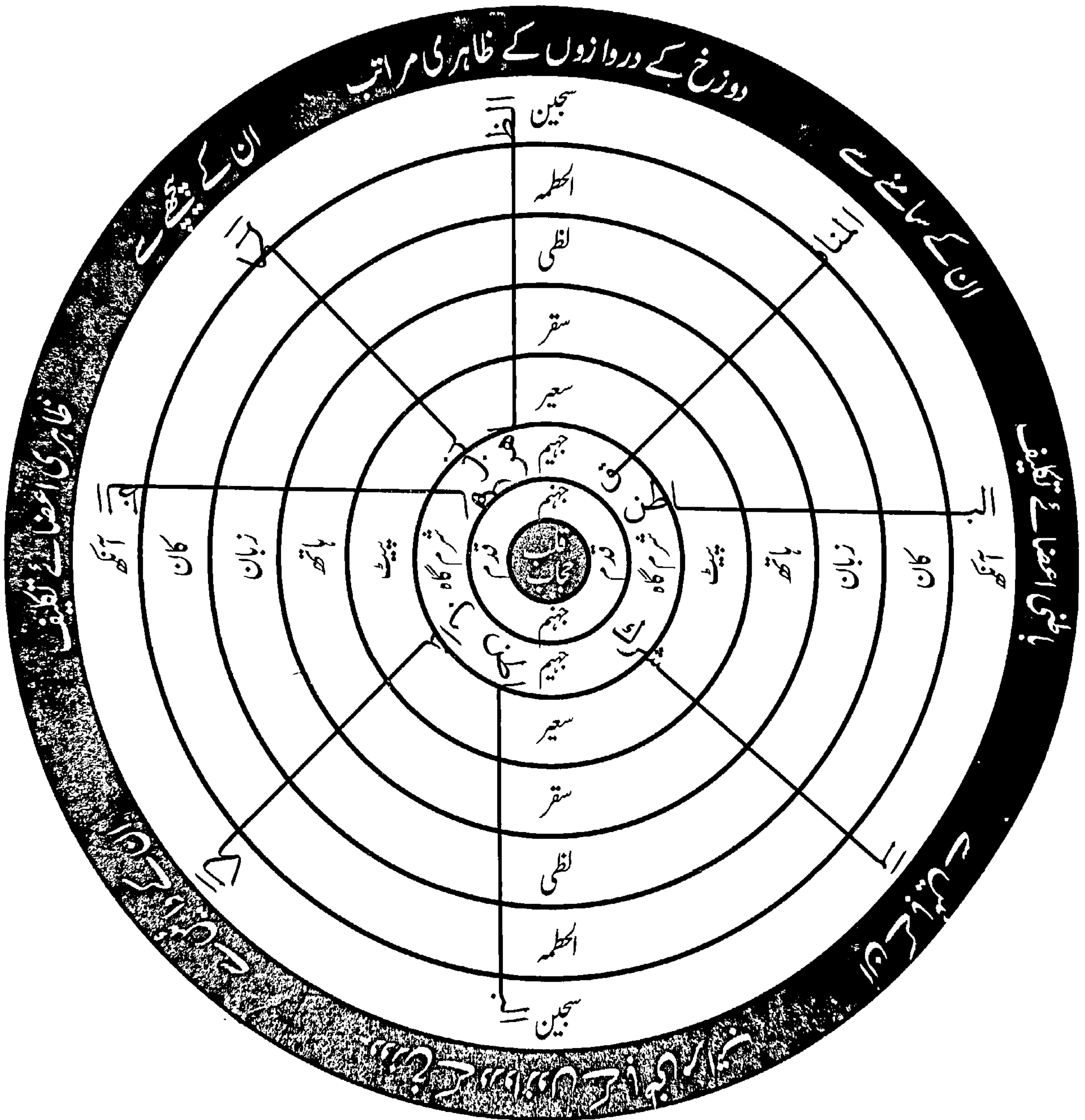
فتوحات مکیہ باب نمبر ۳۷۱

کرسی



کرسی ، فلک اطلس، بارہ بروج اور جنتوں کی صورت

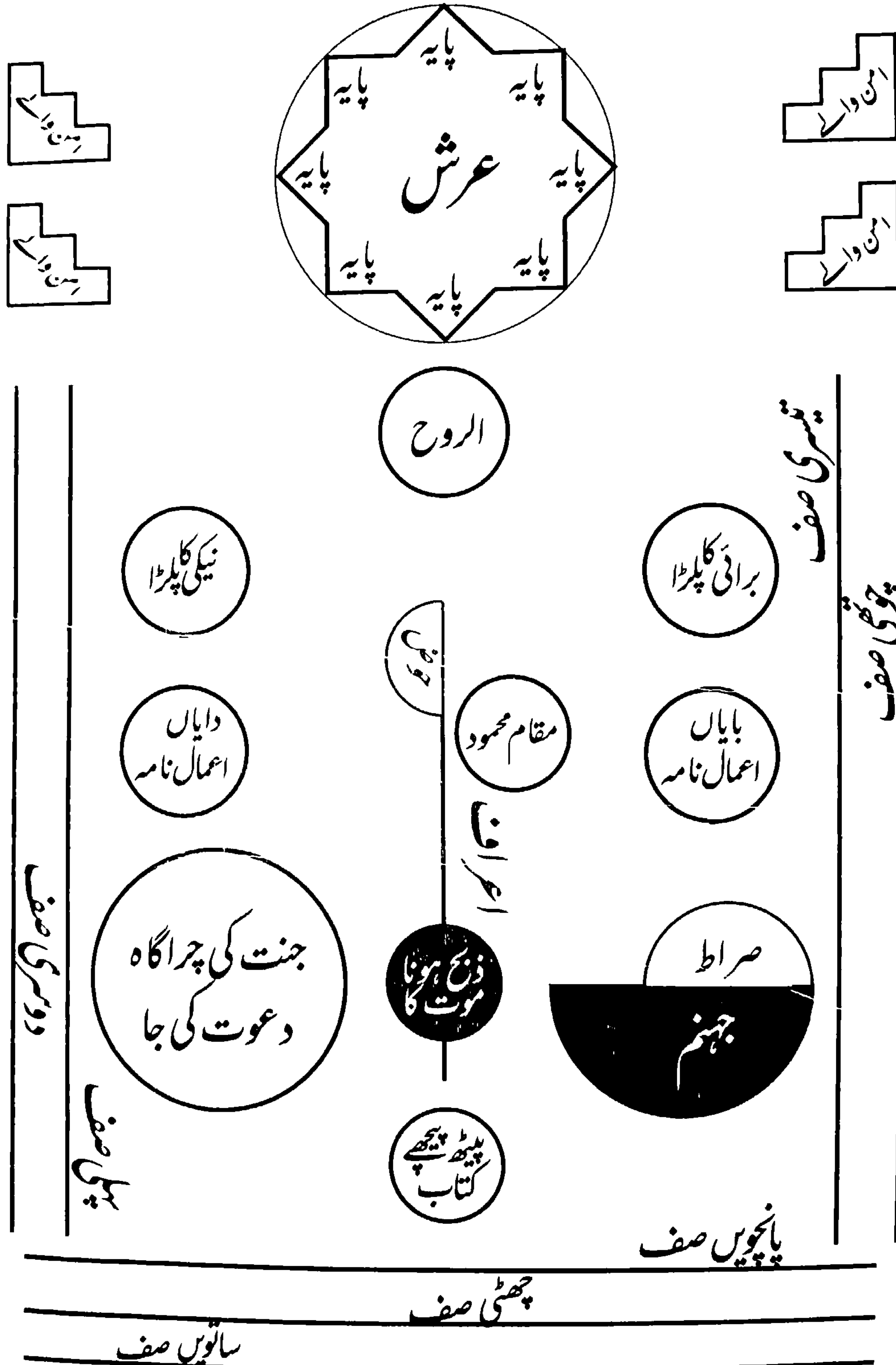
فتوحات مکیہ باب نمبر ۳۷۱



جہنم کی صورت، اس کے دروازوں کے نام اور درکات

فتوحات مکیہ باب نمبر ۳۷۱

ارض محشر کی صورت، عرش ذوالجلال، جنت دوزخ اور اعراف



کیثب



کیثب رویت کی صورت اور مخلوق کے مراتب

دوزخ میں متکبّروں، ملحدوں، مشرکوں اور منافقوں کے مراتب

لآتینهم من بین أیدیهم

وعن شمائلهم

دائرة مدعى

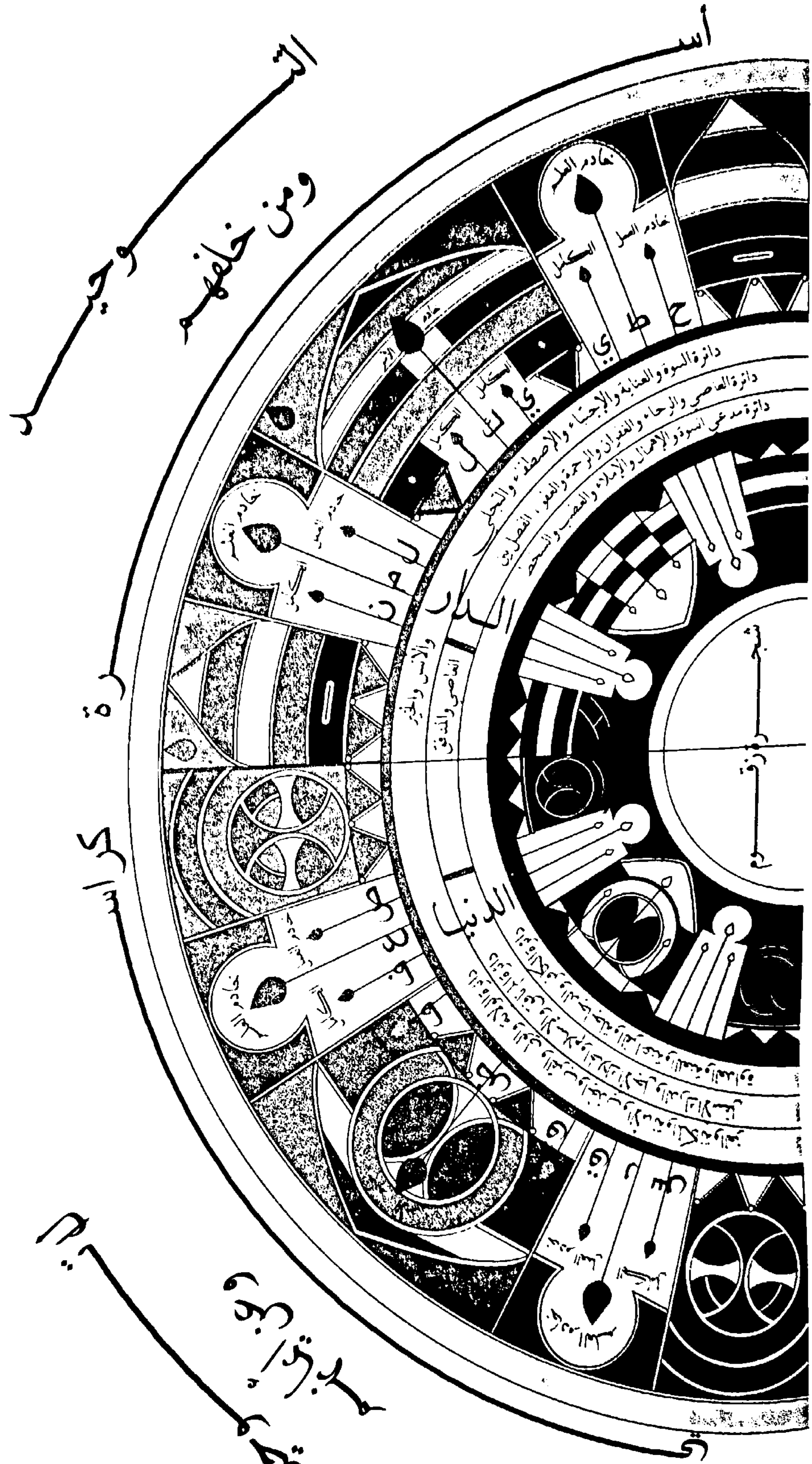
العاصي والمنافق

دائرة الرسالة

خادم العلم

خادم العمل

الكامل



جنت کیف میں رسولوں، انبیا، اولیا اور مومنین کے مراتب

تنزلات موصلیہ میں سے خاکہ، صفحہ ۱۵۳۔

جنت، دوزخ، محشر اور برزخ کی حقیقت

"معرفت قیامت" نامی اِس کتاب میں ہم نے فتوحات مکیہ سے شیخ اکبر کے آخرت سے متعلق عقیدے کو یکجا کیا ہے۔ یہ وہی عقیدہ ہے جس کا مکلف ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ آخرت پر ایمان ہر مسلمان کے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ جزا و سزا کے مفہوم سے عاری مذہب آدھا اور ادھورا ہے۔ اسی اخروی عقیدے میں عام مسلمان بہت سے مسائل کا شکار ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ ان حقائق کو کما حقہ نہیں سمجھ پاتا۔ اگر ظاہر پرستوں کے ہتھے چڑھتا ہے تو اخروی حیات کو بھی انہی ظاہری استعاروں میں کھوجتا ہے، ظاہری قبر اور مادی جسم میں مقید ہو جاتا ہے۔ اگر فلسفیوں اور باطنیوں کی باتوں میں آتا ہے تو حسی آخرت کا انکار کر بیٹھتا ہے اور ہر شے کو معنوی تصور کرتا ہے۔ اس لیے ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ شیخ اکبر نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں آخرت سے متعلق جو حقائق بیان کیے ہیں انہیں آسان زبان میں عوام کے سامنے لایا جائے تا کہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہو، جو مختلف گروہوں میں پائی جاتی ہیں۔



Buy online

ISBN: 9789699305160

